ارشاد عرشی ملک
بھرے شہر میں
بن باس
سرورق ڈیزائننگ : راشدہ رِکرن خان

صد سالہ خلافت جوبلی کے موقعہ پر ایک یادگار پیشکش
(احمدی احباب کے لئے)

بھرے شہر میں بن باس

ارشاد عرشی ملک

تمہیں قدرتِ ثانیہ ہو مبارک
مسیح کا تھا فرمان سو سال پہلے

لجنہ اماء اللہ، اسلام آباد

خصوصی پیشکش برموقعہ

صدسالہ خلافت جوبلی

مجموعۂ کلام: بھرے شہر میں بَن باس

شاعرہ: ارشاد عرشی ملک

منظوری از مرکز: نظارت اشاعت

715-28.3.2008

طبع اول: مئی 2008

تعداد: 1000

ناشر: لجنہ اماء اللہ، اسلام آباد

قیمت: 100 روپے

پتہ برائے رابطہ: ہاؤس نمبر 189، سٹریٹ نمبر 18

F-10/2، اسلام آباد، پاکستان

انتساب

اپنے پیارے

مرحوم والدین

محترمہ سکینہ بیگم صاحبہ

اور

چودھری عطا محمد صاحب

کے نام

جن کی انگلی پکڑ کر میں نے چلنا سیکھا

جن کی حوصلہ افزائی سے میں نے لکھنا سیکھا

میں اپنے قارئین سے التجا کرتی ہوں کہ میرے مرحوم والدین کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کریں۔

ارشاد عرشی ملک
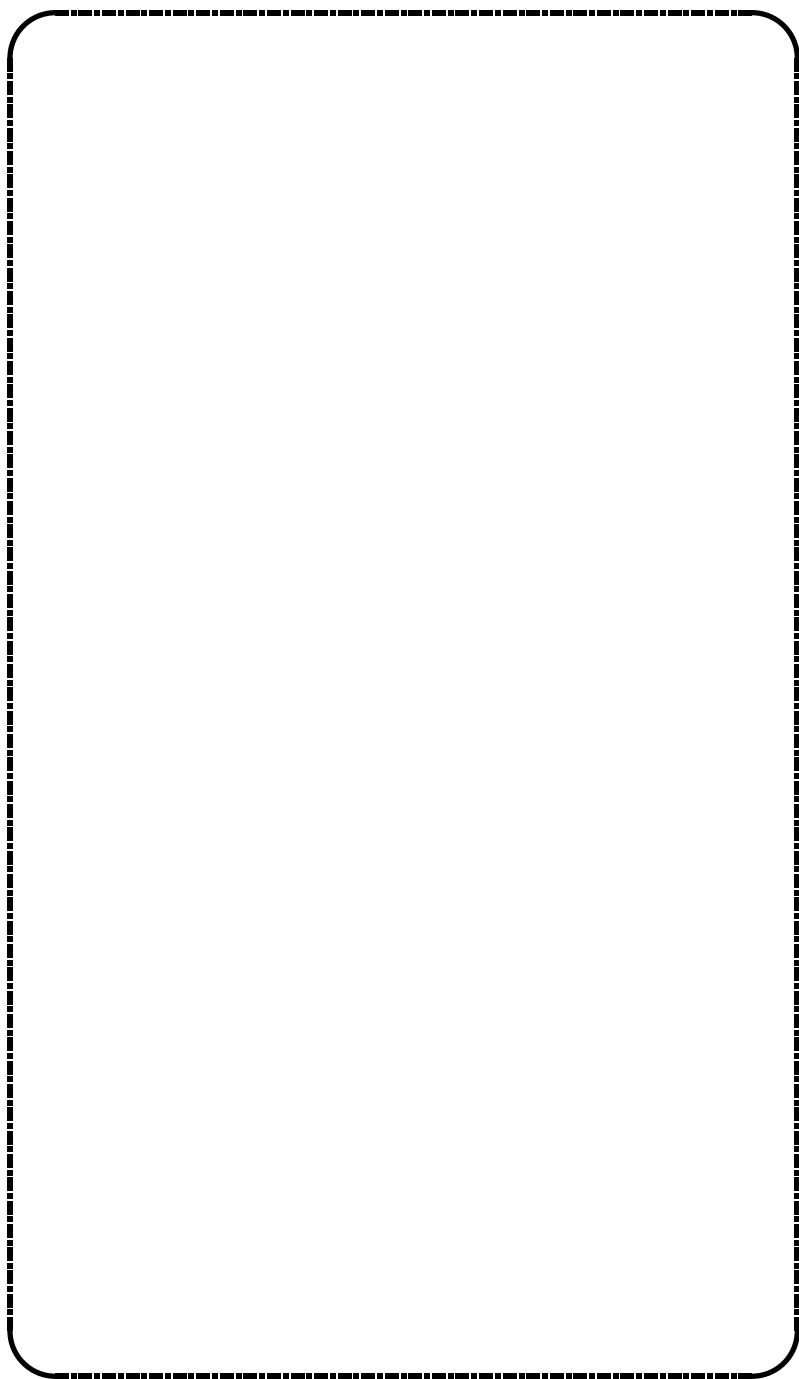
فہرست مضامین

نمبر شمار	فہرست	صفحہ نمبر
	حصہ اول	
۱۔	زندگی دے دے مرے لفظوں کو میرے کبریا	13
۲۔	پیش لفظ - ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب	16
۳۔	اک صدا، اک دعا	21
۴۔	صبح صادق میں ایک کیفیت	23
۵۔	جے توں میرا ہو رہیں	24
۶۔	حرفِ کن	25
۷۔	پس منظر (نبوت ختم ہے تجھ پر)	26
۸۔	خط، خلیفۃ المسیح الخامس	28
۹۔	نبوت ختم ہے تجھ پر	29
۱۰۔	ازل سے ہی تو خاتم الانبیاء تھا	42
۱۱۔	اعترافِ عجز وندامت	44
۱۲۔	''قصیدے'' کا منظوم اردو ترجمہ	46
۱۳۔	عرضِ حال (قصیدہ حضرت مسیح موعودؑ)	57
۱۴۔	خط، خلیفۃ المسیح الخامس	58

۱۵۔ حضرت مسیحِ موعودؑ کی شان میں قصیدہ 59

خلافت ایک مقدس سائباں ہے

۱۶۔ ہو مبارک سب کو صد سالہ خلافت جوبلی 71
۱۷۔ مہدی مرے رسول خدا کا سلام لو 74
۱۸۔ خلافت دائمی ہوگی 79
۱۹۔ سائباں ہے امن کا 81
۲۰۔ سلطان خلافت 83
۲۱۔ خلافت گوہر نایاب ہے 85
۲۲۔ خلافت اک مقدس سائباں ہے 87
۲۳۔ قدرتِ ثانیہ 92
۲۴۔ سو سال پہلے 94
۲۵۔ انشاءاللہ 96
۲۶۔ بیعت کے سوا 97
۲۷۔ دیکھ لو اک صدی سے ہم چپ ہیں 98
۲۸۔ ایک صدی سے اوپر ہے 100
۲۹۔ اکیسویں صدی 101
۳۰۔ قرآن کریم کا جادو 104
۳۱۔ احمدی ماؤں کے نام 106
۳۲۔ سجدہ کریں 110
۳۳۔ وقت امتحاں۔۔۔۔۔سلام 111
۳۴۔ خط، خلیفۃ المسیح الخامس 112
۳۵۔ مرا پردہ 113

۳۶۔ فریاد درد ... 115
۳۷۔ یہ رستہ منصوری ہے ... 118
۳۸۔ آج کی شام۔۔۔۔اکتاہٹ ... 119
۳۹۔ بھرے شہر میں بن باس ملا ہے ... 120
۴۰۔ میں بھی ہوں غلاموں میں ... 121
۴۱۔ نفسِ امارہ ... 122
۴۲۔ اب اور بتا کیا لکھوں ... 123
۴۳۔ ہم طوق کو چوما کرتے ہیں زنجیر بوسہ دیتے ہیں ... 125
۴۴۔ آج مستحکم ہے کل بے آسرا ہو جائے گا ... 126
۴۵۔ کوڑی کا سبزہ ... 127
۴۶۔ دعا کی بھوک ... 128
۴۷۔ دو قطعات ... 129
۴۸۔ گر تو چاہے ... 130
۴۹۔ جسکو تو نہ ملا ... 132
۳۴۔ کتنے موسم بیت گئے ... 133
۵۰۔ اُداسی ... 136
۵۱۔ سرمے میں ڈھلے ہیں طور بہت ... 137
۵۲۔ وصیت ... 138
۵۳۔ اک پریم کا اکھر پڑھ جاؤں ... 140
۵۴۔ یہ کہانی پھر سہی ... 141
۵۵۔ سب ٹھیک ہے ... 142
۵۶۔ دنیا کے کاروبار کی فرصت نہ ہو سکی ... 143
۵۷۔ ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں ... 145

۵۸۔ قطعات 149
۵۹۔ کچھ اشعار 151

حصہ دوم

۶۰۔ میں سچ کے سوا کیا لکھوں (پیش لفظ ثانی) 159
۶۱۔ ہوا کی زد پہ ہوں ہر سائباں سے باہر ہوں 160
۶۲۔ باہر کی چپ ٹوٹے عرشیؔ اندر بول اٹھے 161
۶۳۔ باتوں میں تازگی لگی لہجہ نیا لگا 163
۶۴۔ ہر موحد رفتہ رفتہ خود ہی بت گر ہو گیا 164
۶۵۔ حبس بڑھتا جا رہا ہے اب یہاں 165
۶۶۔ جلتے صحراؤں میں چشمہ دیکھ لیا 169
۶۷۔ اڑتی ہے گھر کے فرش پہ اسکے خطوں کی راکھ 170
۶۸۔ درد جائے گا مگر جائے گا جاتے جاتے 171
۶۹۔ اک شخص سارے شہر میں دلبر لگا مجھے 172
۷۰۔ ڈھکی ہوئی کوئی پھولوں سے رہگزر لینا 173
۷۱۔ اب وہ رعنائی وہ چاہت ترے جذبوں میں کہاں 174
۷۲۔ میرے ہاتھوں میں نہیں کوئی ہنر اب کے برس 175
۷۳۔ ہم نے جو گل چنے تھے وہ سب خار ہو گئے 176
۷۴۔ اک عمر سے یہ بام یہ در ایک ہی سے ہیں 177
۷۵۔ تجھ کو سوچا ہے ہمیشہ بھیگتی پلکوں کے ساتھ 178
۷۶۔ نگری نگری پھرتے رہنا اپنا مقدر رہنے دو 179
۷۷۔ اُن کا حصہ خوب ہے ہر لطف میں رعنائی میں 180
۷۸۔ دنیا کی نفرتوں سے جھمیلوں سے بے خبر 181

۷۹۔ آسماں کی وسعتوں، ٹوٹے پروں کی سوچنا 182
۸۰۔ اپنی ہی بستی میں ہیں ہم لوگ بے در کس لئے 184
۸۱۔ محبتوں کے یہ موسم نئے نئے ہیں بہت 185
۸۲۔ اجنبی سے بن رہے ہو تم، مگر کس واسطے 187
۸۳۔ منزل کی تھی خبر نہ پتہ راستوں کا تھا 188
۸۴۔ لمحہ بہ لمحہ بٹتے ہوئے دائروں میں ہوں 189
۸۵۔ برستی رہتی ہے وحشت سی بام و در سے ترے 190
۸۶۔ مجھکو اپنی ذات سے نا آشنا رکھتا ہے وہ 191
۸۷۔ بچوں کی طرح روٹھنا لڑنا بجا نہیں 192
۸۸۔ تری وفا تری رعنائیوں کو کیا کرنا 193
۸۹۔ دل ہو یا کہ گھر عرشی جب بسانا پڑتا ہے 194
۹۰۔ جانے کن لوگوں کو دکھ سکھ کہنا اچھا لگتا ہے 195
۹۱۔ اپنی خالی جیب کا دکھ اس قدر گہرا نہ تھا 196
۹۲۔ تھا کب قریب اور کہاں میرے ساتھ تھا 197
۹۳۔ جو شوخ رنگ تھے آنکھوں میں سب بکھر سے گئے 198
۹۴۔ ہمارے دل میں رہائی کے جب خیال رہے 199
۹۵۔ سدا کے واسطے ہر خوف و ڈر چلا جائے 200
۹۶۔ گیلا رومال 202
۹۷۔ برف کا آسیب 203
۹۸۔ بد ذوقوں کی بھیڑ میں ایک سخن فہم کے ملنے پر 204
۹۹۔ یہ دل کہ جسم کے دوزخ کے درمیاں میں رہا 205
۱۰۰۔ بے حسی کی نیند کو اب کے اجڑنا چاہیئے 206
۱۰۱۔ آنکھ میں بہتی ہوئی لاشوں کے منظر رہ گئے 207

۱۰۲۔ ہجر کے کالے دنوں میں سورجوں کو کیا ہوا 208
۱۰۳۔ زباں پہ شہر کے لوگوں کی آ گیا ہے یہ 209
۱۰۴۔ نہ رہ شناس کا نہ معتبر کا ساتھ رہے 210
۱۰۵۔ یوں گھنے پیڑوں سے عرشی چھن کے نکلی چاندنی 211
۱۰۶۔ کھوئی کھوئی تنہا تنہا اور بے معنی لگی 213
۱۰۷۔ میں نے بھی تیری بات کو دل سے کھرچ دیا 214
۱۰۸۔ یہ چہچہاتے پرندے اگر دعا مانگیں 215
۱۰۹۔ زلزلے کے بعد کا تو یہ کہیں منظر نہیں 216
۱۱۰۔ اسکی ہستی سے جدا میرا کوئی پیکر نہ تھا 217
۱۱۱۔ قرب میں سہا رہا دل دوریوں کے خوف سے 218
۱۱۲۔ ملے ہوؤں کو بھی عرشی بچھڑ ہی جانا تھا 219
۱۱۳۔ سمجھوتہ 220
۱۱۴۔ ایک خواہش 222
۱۱۵۔ حوصلہ کر کے یہ اک کام بھی کر جانا ہے 223
۱۱۶۔ بے رخی کیسی ہے یہ کاہے کو انجان بنو 224
۱۱۷۔ دو ہاتھوں کا المیہ 225
۱۱۸۔ قد 226
۱۱۹۔ مسکراتی آنکھ میں تم نے نمی دیکھی نہیں 227
۱۲۰۔ پہلے یقیں تھا رونقِ بزمِ جہاں ہیں ہم 228
۱۲۱۔ تو نے عرشی آج تک جینے کا گر سیکھا نہیں 229
۱۲۲۔ سب اقرار و انکار بے فائدہ ہیں 231
۱۲۳۔ منتظر اس شہر میں عرشی مرا کوئی نہیں 232
۱۲۴۔ حسین چہرہ سحر کی دعاؤں جیسا ہے 233

۱۲۵۔ کچھ اس میں تھا خوابوں سا کچھ میں نے بنایا بھی 234
۱۲۶۔ دلوں کے زخم بگڑتے گئے سنور نہ سکے 235
۱۲۷۔ محبتوں کا وہ منہ زور سلسلہ نہ ملا 236
۱۲۸۔ میرے دکھڑے سن کر تو بھی اپنا درد کہے تو جانوں 237
۱۲۹۔ چاؤ سے آدم کو بنایا رب نے سب کچھ وار دیا 238
۱۳۰۔ للکن مٹی 239
۱۳۱۔ سادہ ورق۔۔۔۔رشتہ 240
۱۳۲۔ میرا رب کتنا منصف ہے۔۔۔۔ایک کیفیت 241
۱۳۳۔ غزل۔۔۔۔۔غزل 242
۱۳۴۔ سولی گڑی تھی شہر کے ہر اک مکان پر 243
۱۳۵۔ تصویر 244
۱۳۶۔ تنہائی 246
۱۳۷۔ وقت کی تسبیح 247
۱۳۸۔ قبر میں میلہ 248
۱۳۹۔ مردے کب باتیں کرتے ہیں 249
۱۴۰۔ ڈپریشن 250
۱۴۱۔ فرض 251
۱۴۲۔ مستقبل پر کس کا بس ہے 252
۱۴۳۔ سچا رشتہ۔۔۔۔۔یہ کہانی پھر سہی 254
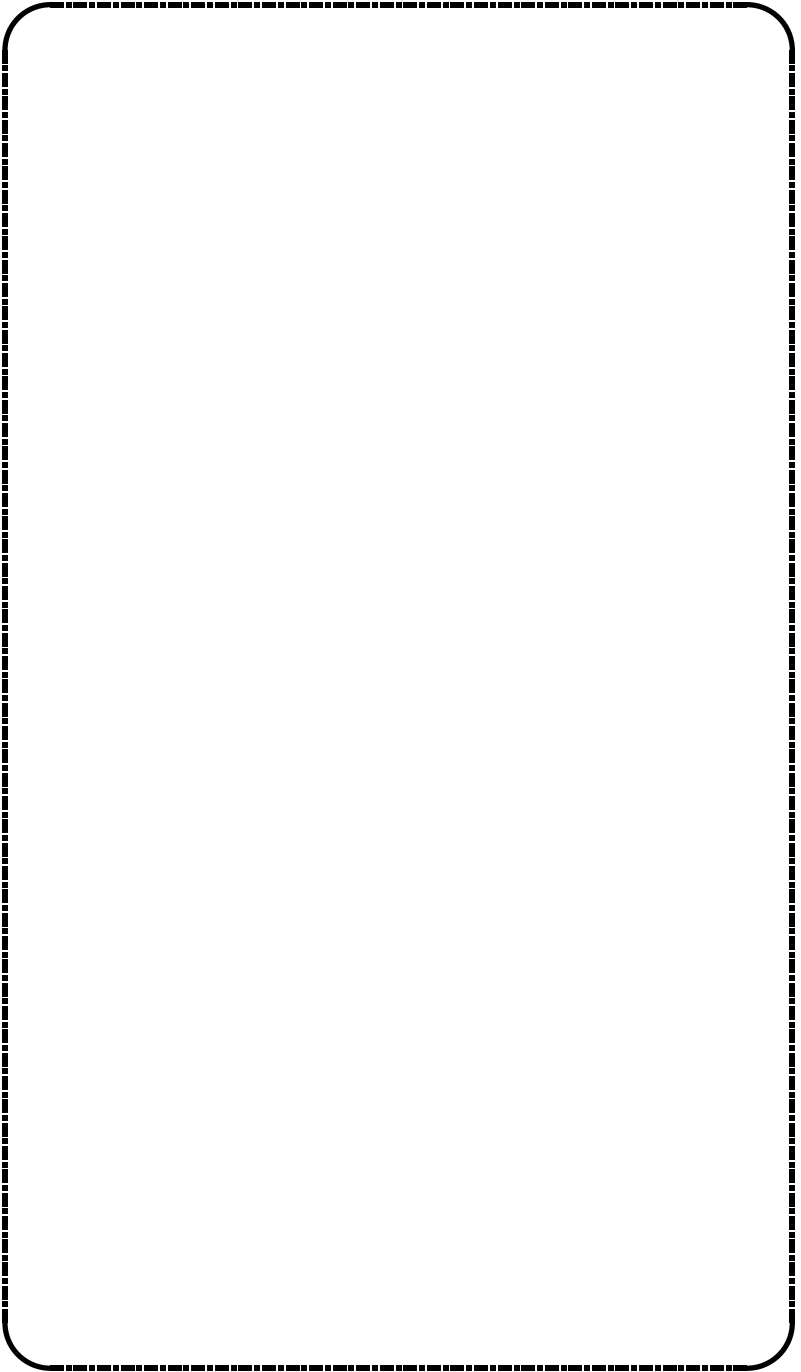
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زندگی دے دے مرے لفظوں کو میرے کبریا

''بھرے شہر میں بن باس'' اللہ کے فضل و کرم سے یہ میرا چوتھا شعری مجموعہ ہے۔ روحانی وارداتِ قلبی کے اس شعری سفر کا آغاز ۲۰۰۱ء میں ہوا جب ''تیرے در کے فقیر ہیں مولا'' منظرِ عام پر آئی۔ ۲۰۰۳ء میں ''پل صراط پر ایک قدم''، ۲۰۰۵ میں ''فریادِ درد'' شائع ہوئی اور اب ۲۰۰۸ء میں ''بھرے شہر میں بن باس'' آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس سارے شعری سفر میں پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور پھر ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کی طرف سے میری حوصلہ افزائی ہوتی رہی۔

مجھ ناچیز پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور احسان ہے کہ اتنی عظیم ہستیوں کی دعاؤں کا سائبان میرے سر پر رہا اور ان کی طرف سے ملنے والی راہنمائی اور حوصلہ افزائی نے مجھ میں خود اعتمادی پیدا کی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس کے حضور میں خاص طور پر اظہارِ تشکر کرتی ہوں کہ جنہوں نے خود شاعر نہ ہوتے ہوئے بھی انتہائی وسعتِ قلبی کے ساتھ مجھ ناچیز کی شاعری کو سراہا۔ احمدیت کی تاریخ آپکو شعر و ادب اور علم و فن کی قدر دانی اور تخلیقی صلاحیتوں کی سر پرستی کرنے والے خلیفہ کے طور پر بھی ہمیشہ یاد رکھے گی انشاء اللہ۔ جب جب میں نے کسی خاص کیفیت میں کوئی خاص چیز لکھی اور آپکو بھجوائی تو حضور نے انتہائی شفقت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود اس کلام کو حرف بہ حرف پڑھا اور اپنی رائے اور تبصرے سے بھی نوازا اور دعاؤں سے بھی۔ آپ کی اس ذرہ نوازی نے بھی مجھے بہت خود اعتمادی اور تقویت بخشی اور جذبے اور فکر کی نئی نئی راہیں مجھ پر کھولیں۔ میں نے ۲۰۰۱ء سے لے کر اب تک جو کچھ لکھا ہے سب جماعت کی امانت ہے۔ کیونکہ جذبات و احساسات کی فراوانی اور سرشاری کی کیفیت، جو کچھ بھی مجھے نصیب ہوا ہے وہ سب احمدیت کی برکت ہے اور حضرت مسیح موعودؑ کی جوتیوں کے طفیل ہے۔

رسول پاکؐ کی مدح میں میری طویل ترین نعت جو ۱۴۰۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے معرکۃ الآراعربی قصیدے کا منظوم ترجمہ اور پھر اسی بحر اسی وزن اور اسی ردیف میں حضرت مسیح موعودؑ کی شان میں لکھا گیا۔ ۱۱۲۰ اشعار پر مشتمل قصیدہ میری شاعری کا نچوڑ ہے، میری عمرِ رائیگاں کا سرمایہ ہے۔ میرا زادِراہ ہے اور میری زندگی کا حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میری دعا ہے کہ اس کلام کو اسکے دربارِ اقدس میں شرفِ قبولیت حاصل ہو۔

میں جماعت کی ان چیدہ چیدہ بزرگ ہستیوں کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اس عاجزہ کے کلام کو پڑھا اور خط لکھ کر یا فون کر کے میری حوصلہ افزائی کی۔ میں ان بہنوں اور بیٹیوں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جن کے ناموں سے بھی میں واقف نہیں لیکن ان کی آنکھوں اور لہجوں میں چھلکتے خلوص سے میں واقف ہوں اُن اہلِ دل اور اہلِ درد کی مجھے خوب پہچان ہے جو میری کیفیت اور زبان کو سمجھتے ہیں۔ جنہوں نے میری کتابیں خرید کر مجھے اپنے لفظوں پر اعتبار کا حوصلہ دیا۔ وہی ہیں جنکی چاہت اور پیاس نے اس چوتھے ساغر کو لبریز کیا۔ آخر میں میری دعا ہے کہ میری گزشتہ کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی اللہ تعالیٰ مقبولیت کی سند عطا فرمائے اور میرے مرحوم والدین کے لئے صدقہ جاریہ بنا دے۔ آمین

جب جب اس کتاب کی کوئی سطر پڑھ کر کسی قاری کے دل میں اللہ تعالیٰ کا قرب پانے کی تڑپ پیدا ہو تو اسکا ثواب میرے مرحوم والدین کو پہنچے اور اللہ تعالیٰ انکے درجات کو بڑھاتا چلا جائے اور میرا سارا ناچیز ٹوٹا پھوٹا کلام اُنکے لئے صدقہ جاریہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ میری بچیوں کو اور آئندہ نسلوں کو ہمیشہ احمدیت سے وابستہ رکھے وہ دین کی خادم ہوں اور دنیا انکی خادم ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور میری خصوصی التجاء ہے کہ میرے نواسے جلال الدین جبرئیل کو دین کی خدمت کے لئے چن لے اور اُس سے وہ کام لے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا جلال ظاہر ہو۔ آمین ثم آمین

آخر میں، میں طاہر عمران صاحب کی انتہائی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کو شائع کروانے کے لئے پریس سے متعلقہ معاملات کو بڑی بشاشت اور خوش اسلوبی سے نبھایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ آمین

ارشاد عرشی ملک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ناصر احمد پروازی

5914 Long Valley Road, Mississauga. Ont. L5M 6J6 Canada

Email Nasirperwazi@hotmail.com Phone/fax 905 997 0513

۳۰ اگست ۲۰۰۷

عزیزہ محترمہ ارشاد عرشی ملک صاحبہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،

آپ نے اپنے کلام کے تین مجموعے اور نئے مجموعہ کا مسودہ مجھے ارسال فرمایا۔ میں اس کرمفرمائی کے لئے احسان مند ہوں۔

میں نے اپنی سمجھ اور سوجھ بوجھ کے مطابق جو کچھ مناسب سمجھا وہ لکھ دیا ہے ورنہ آپ کے کلام کو کسی تعارف کی ضرورت اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہیں ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کو اپنی نئی کتاب کی ابتدا میں شامل کر لیں مگر یہ سب کچھ آپ کی اپنی صوابدید پر منحصر ہے میرا لکھا کوئی ایسا لابدی نہیں کہ اس کی شمولیت پر اصرار کروں۔

برادرم سید داؤد احمد صاحب سے میرا اسلام کہئے۔ والسلام

خاکسار

ناصر پرواز

حضرت ایدہ اللہ العزیز کل دس دن کے لئے

امریکہ جا رہے ہیں۔ انشاء اللہ ۱۰ ستمبر کو

واپس ہوں گے۔

احمدیہ علم کلام کی نمائندہ شاعرہ

ڈاکٹر پرویز پروازی
کینیڈا

جماعت احمدیہ کی ادبی تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ احمدی شعراء جماعت احمدیہ کے علم کلام کی ترویج واشاعت کے لئے اپنی تمامتر فنی صلاحیتیں وقف کئے رہتے ہیں۔ ان کے اشعار میں احمدیت کی روح یوں جاری وساری رہتی ہے جیسے انسان کے جسم میں خون گردش کرتا ہے۔ ان کی خالصتاً شاعرانہ اور متغزلانہ کاوشیں بھی احمدیت کی آئینہ دار ہوتی ہیں اور پہچاننے والے پہچان لیتے ہیں کہ شعر کہنے والے کا روحانی منبع اور سرچشمہ کہاں ہے اور کون ہے۔ اردو شاعری کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس کے موضوعات میں متغزلانہ شاعری کے علاوہ تاریخ، معاشرت، طوائف الملوکی اور مفلوک الحالی کے موضوعات تو نمایاں رہے مگر کسی شاعر نے نعت، منقبت اور سلام سے آگے بڑھ کر دینی موضوعاتِ متفرقہ کو اپنی شاعری کا محور نہیں بنایا۔ مرثیہ اور سلام کے علاوہ مولانا حالی کی اصلاحی شاعری میں بھی اخلاقیات کے موضوع تو معرض بحث میں آئے مگر وہ چیز جسے میں احمدیہ شعریت کہتا ہوں منظر عام پر نہیں آئی۔ وہ روایت کیا ہے؟ درثمین میں جو موضوعات بیان ہوئے ہیں وہ دیکھئے۔ نصرت الٰہی، دعوت فکر، فضائل اور محاسن قرآن مجید، عیسائیوں کے عقائد باطلہ کی تکذیب، حمد رب العالمین، وفات مسیح، وفات مسیح ناصری، علامات المقربین، ہندومت اور ویدوں کا رد، آریوں کے عقائد کی تکذیب، نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوعات، جہاد کی اسلامی تعلیم، آریوں کو دعوت حق، انذاری پیشگوئیاں، غیرت اسلامی کو اپیل اور توبہ، تذلل اور خاکساری کی تعلیم، کلام الٰہی کی تاثیرات اور توحید کے دلائل۔ یہ چند ایسے موضوعات ہیں جن پر درثمین کی اساس ہے۔ چاند نکلتا ہے تو ہم ''ہمارا چاند قرآں ہے'' کا نعرہ لگاتے ہیں۔ بہار آتی ہے و ہمیں خدا کی باتیں پوری ہوتی نظر آتی ہیں، پانی برستا ہے تو ''میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسمان سے وقت پر'' کا دعویٰ یاد آتا ہے۔ ہمیں سننے کی تلقین کرنا ہوتی ہے تو ہم ''اسمعو صوت السماء اسمعو صوت السماء'' کہتے

ہیں۔ روشنی ہو تو ہمیں ”میں ہوں وہ نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار“ یاد آتا ہے، بچوں کے لئے دعائیہ نظمیں کہنا ہوں تو ”سبحان من یرانی“ کا اسلوب اپناتے ہیں۔ غرض احمدیہ شعری علم کلام اپنی نوعیت اور کیفیت میں ممیّز و ممتاز ہے۔ ہماری شاعری انہی موضوعات سے مملو ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی کلام محمود کا اسلوب غزل کا اسلوب ہے مگر موضوعات وہی ہیں جن کا ذکر درثمین کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی دو چار نظموں کا اسلوب درثمین کا اسلوب ہے۔ حضرت خلیفہ رابع کے کلام طاہر کے موضوعات متنوع اور مختلف ہیں مگر ان کی عمارت بھی اسی محکم بنیاد پر اٹھائی گئی ہے۔ خلفاء کے علاوہ جماعت کے اکابر شعراء میں حضرت نواب مبارکہ بیگم کی درعدن بھی اسی اسلوبِ احمدیت کی آئینہ دار ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ سے ہی احمدیت کی آغوش میں آنے والے شعراء اپنے ماضی کی ادبی وابستگیوں کو چھوڑ کر جماعت احمدیہ کے علم کلام کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہو جاتے رہے اور پھر بھول کر بھی پچھلی وابستگیوں کی طرف لوٹ کر نہیں گئے۔ حضرت حافظ مختار احمد شاہجہان پوری، مولانا ذوالفقار علی خاں گوہر، حکیم عبید اللہ بسمل، اور پھر ہمارے اپنے زمانے تک روشن دین تنویر، سعید احمد اعجاز، نسیم سیفی، عبد السلام اختر، اور سلیم شاہجہاں پوری اور جدید تر حیات شعراء میں جناب جنرل محمود الحسن محمود، قبلہ محترم عبد المنان ناہید، پروفیسر چوہدری محمد علی، اور چوہدری محمد علی کے لائق شاگرد غالب احمد، رشید قیصرانی، اکبر حمیدی، عبید اللہ علیم اور ان کے علاوہ چوتھی نسل کے بہت سے نوجوان شعراء طاہر عارف، ڈاکٹر عبد الکریم خالد، عبد الکریم قدسی، ابرار احمد، افضال نوید وغیرہم سب لوگ ادبی میدان میں جانے پہچانے اور مانے ہوئے شعراء ہیں اور ان کی غزلوں کی ایمائیت احمدیت کی جانب اشارہ کرتی رہتی ہے اور یہ لوگ ادبی میدان میں موجود رہ کر احمدیت کے علم کلام کی نمائندگی کرتے رہتے ہیں۔ روشن دین تنویر اور سعید احمد اعجاز کا تو حال یہ تھا کہ ادبی دنیا، نیرنگ خیال میں چھپتے تھے اور ادبی حلقوں میں مشہور تھے اور ان پرچوں کی پہچان ان کے دم سے تھی۔ ایک مرتبہ ربوہ کے ایوان محمود کے ۱۹۸۸ء کے مشاعرہ میں میں نے سعید احمد اعجاز صاحب کو دعوت دی، وزیر آغا کو صدارت کرنا تھی۔ میں نے آغا صاحب کا تعارف سعید احمد اعجاز صاحب سے کروایا۔ آغا صاحب نے ان کا ہاتھ مضبوطی سے گرفت میں لے لیا اور سعید احمد اعجاز کی ایک پچاس سالہ پرانی نظم جو کسی زمانہ میں ادبی دنیا میں چھپی تھی فر فر انہیں سنا دی اور کہا

ہماری ملاقات آج پہلی بار ہورہی ہے مگر میں آپ کے کلاس کا پچاس برس سے گرویدہ ہوں۔ مگر اس بات کی گواہی ہم دے سکتے ہیں کہ احمدی ہوجانے کے بعد ان لوگوں نے بھول کر بھی باہر کے پرچوں کی طرف نہیں دیکھا جو کچھ لکھا وہ جماعت کے لئے لکھا اور جماعت کے پرچوں کے علاوہ کہیں اور چھپنا چھوڑ دیا۔ یہی اسوہ ہمارے اس دور کے بزرگ شعراء کا ہے ناہید صاحب، محمود الحسن صاحب، چوہدری محمد علی، غالب احمد صرف جماعت کے پرچوں میں چھپتے ہیں۔

جماعت احمدیہ کے علم کلام کی ترویج و اشاعت میں ان شعراء کے دوش بدوش خواتین شعرائے احمدیت بھی کسی سے ہیٹی ہیں رہیں۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم کی شاعری ان کی راہنما رہی۔ بزرگ خواتین میں محترمہ شاکرہ کا نام ممتاز ہے۔ ہمارے اپنے عہد میں صاحبزادی امۃ القدوس، امۃ الباری ناصر، ڈاکٹر فہمیدہ منیر، سب ہی اپنے اپنے رنگ میں نمایاں ادبی مرتبہ رکھتی ہیں مگر چھپنے کے لئے ان کا رخ ادبی رسائل کی طرف نہیں ہوتا۔ جماعت کے پرچے ہی ان کی تگ و تاز کا محور ہیں۔ اس تمہید کے بعد میں اپنے موضوع کی طرف لوٹتا ہوں کیونکہ اس کے بغیر احمدیت کی شعری روایت کو جاننا اور پہچاننا مشکل ہوجاتا۔ اسلام آباد کی ممتاز احمدی شاعرہ محترمہ ارشاد عرشی ملک نے اپنا چوتھا مجموعۂ کلام ''بھرے شہر میں بن باس'' مجھے ارسال فرمایا ہے اور خواہش کی ہے کہ میں ان کے مجموعہ کلام پر کچھ لکھوں۔ ان کا کلام پڑھ کر ہی یہ تحریک ہوئی کہ میں احمدیت کی شعری روایت کی اساس کے باب میں کچھ کہوں۔

ان کے شعری مجموعہ کا عنوان ہی احمدیوں پر ہونے والے مظالم اور ان کے نتیجہ میں احمدیوں کے اپنے ہی شہر اور ملک میں اجنبی ہوجانے کی جانب بلیغ اشارہ کرتا ہے۔ اکبر حمیدی نے اس کیفیت کو ''شہر میں شہر بدر بیٹھے ہیں'' کہہ کر بیان کیا تھا۔ خاکسار راقم الحروف کی ایک نظم میں بھی ایسی کیفیت معرض اظہار میں آئی تھی کہ ''وطن میں رہ کر بھی جو غریب الوطن ہیں ان کا سلام کہنا''۔ ان کے تین مجموعے ''پل صراط پر ایک قدم''، ''تیرے در کے فقیر ہیں مولا'' اور ''فریادِ درد'' اس سے قبل منظر عام پر آچکے ہیں۔ میں انہیں پڑھنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ محترمہ ارشاد عرشی ملک کے ہاں شخصی دردمندی قومی دردمندی کے سانچے میں ڈھل گئی ہے۔ ہر احمدی کا درد ان کا درد ہے اور ہر احمدی کی کسک ان کی کسک

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

ارشاد عرشی بھی امیر مینائی کی طرح دوسروں کے درد میں گوندھی ہوئی ہیں اور دوسروں کا درد وہی محسوس کیا کرتا ہے جو فراخ اور فراخ حوصلہ والا ہو۔

ان کے تغزل کو دیکھا تو تازہ اور جوان پایا۔ شکیب جلالی کے اسلوب میں شعر کہنا اسی کو سزاوار ہے جو دردمندی سے پٹا پڑا ہو۔ شکیب کی زمین ہے

آ کے گرا تھا ایک پرندہ لہو میں تر
تصویر اپنی چھوڑ گیا ہے چٹان پر
ملبوس خوش نما ہیں مگر جسم کھوکھلے
چھلکے سجے ہوں جیسے پھلوں کی دکان پر

ارشاد عرشی کہتی ہیں

سولی گڑی تھی شہر کے ہر اک مکان پر
قائم نہ رہ سکا کوئی اپنے بیان پر
تو نے بدل لیا ہے بیاں، تیرے خیر ہو
ہم کو تو اعتبار تھا تیری زبان پر

کیسی سیدھی سادہ تغزل سے بھرپور غزل ہے مگر اس بدلتے بیان کے پیچھے کرب واندوہ کا ایک طومار ہے۔ یہ غزل کی ایمائیت کو برتنا جانتی ہیں۔

ان کی نظموں میں بھی بین السطور کرب کی ایک لہر جاری وساری ہے جو شاعرانہ صداقت مجروح نہیں ہونے دیتی۔ مجھے تو اس نظم نے بہت متاثر کیا، عنوان ہے سچا رشتہ:

''جانے کیسے کیسے رشتے،
جانے کیسے کیسے ناطے،
خود بن کر خود ٹوٹ گئے ہیں
کتنے پیارے پیارے چہرے،
روٹھ گئے ہیں چھوٹ گئے ہیں،
سکھ کا رشتہ، پیار کا رشتہ

خون کا کاروبار کا رشتہ

دل کا اور دلدار کا رشتہ،

ہر ایک رشتہ کچا رشتہ

درد کا رشتہ سچا رشتہ''

شاعرانہ اظہار پر اتنی گرفت رکھنے والی مضبوط شاعرہ جب احمدیہ علم کلام کے میدان میں اتری ہیں تو ان کی فنکارانہ پختگی ان کے کام آئی ہے۔نعتیہ قصیدہ ہو یا حمدیہ نظم، خلافت کے استحکام کا مضمون ہو یا اطاعت امام کا ذکر۔ جماعت کے افراد کے نام خلیفہ کا سلام ہو یا زخموں کی بخیہ گری سب کچھ ان کے ہاں بڑی چابک دستی سے بیان ہوئے ہیں اور میں اس بات کو ان کی بہت بڑی کامیابی سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے کلام کو قبول عام اور بقائے دوام سے نوازے۔آمین

مجھے توقع ہے کہ پختہ ذہن اور مضبوط اظہار والی پر اعتماد شاعرہ کا کلام جماعت احمدیہ کے علم کلام میں تابندہ اور ممتاز و منفرد رہے گا اور بہتوں کو اس نور کی طرف کھینچ کر لانے والا ہوگا جس کو، کوردل اور کورنگاہ لوگ قبول کرنے اور دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو بیش از بیش قبولیت عطا کرے۔

آمین

واردات قلبی

محترمہ عرشی سے اپنے اسلام آباد قیام کے دوران واقفیت ہوئی اور ایک احمدی کی اللہ، اس کے رسولؐ، خلیفۃ المسیح اور جماعت سے روایتی محبت اور عقیدت ہونے کے ناطے یہ واقفیت اور شناسائی اس محبت میں ڈھلنے لگی جو ایک احمدی کو اپنے احمدی بھائی سے ہوتی ہے۔ مسز عرشی سے خاکسار اور خاکسار کی بیگم اور بچیوں کے تعلقات اور قربت کی وجہ بھی آپ کا وہ منظوم کلام ہے جو اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، آج کے ماموراور خلیفۃ المسیح کی محبت میں سرشار ہو کر آپ نے کہا۔ جن کو محترمہ ''روحانی واردات قلبی'' کے نام سے یاد کرتی ہیں۔ خاکسار نے آپ کے شائع ہونے والے ہر تین مسودوں کو پڑھا۔ واقعتاً ان کو ''روحانی واردات قلبی'' کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ان کی اشاعت کے دوران محترمہ نے ''روحانی واردات قلبی'' سے قبل کے کلام کا بہت دفعہ ذکر کیا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ خاکسار نے اس کو بھی طبع کروانے کی درخواست کی تھی۔ الحمدللہ محترمہ نے اپنے چوتھے مسودہ بعنوان ''بھرے شہر میں بن باس'' میں اس کو شامل کر لیا۔

محترمہ اس کو ''زمانہ جاہلیت'' کی شاعری کہتی ہیں۔ اور زیرِ نظر مسودہ کے حصہ دوم کے آغاز پر آپ نے ''میں سچ کے سوا کیا لکھوں'' کے تحت دو حقیقتیں لکھی ہیں۔ اور حصہ دوم کا کلام پڑھ کر مجھے ان دو حقیقتوں سے اتفاق ہے۔ آپ لکھتی ہیں

i۔ لکڑی کے ساتھ لوہا بھی سطح آب پر تیرنے لگتا ہے۔

ii۔ عمر رواں کی ندی مختلف سرزمینوں سے گزرتی ہے۔ جب پہاڑوں سے گزرتی ہے تو اس کا پانی شوریدہ سر ہوتا ہے۔ شور مچاتا اور چھینٹے اڑاتا ہے۔ پھر میدانی علاقوں می آ کر وہی پانی پُرسکون ہو جاتا ہے اور اس سے بنجر زمینوں کو سیراب کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔

محترمہ نے عاجزی وانکساری سے کام لے کر ''روحانی واردات قلبی'' سے اپنے قبل کے کلام کو لوہا اور پہاڑوں کے درمیان بہنے والی پانی سے تشبیہ دی ہے۔ میں نے اس کلام کو بالخصوص اس نظریہ سے

پڑھا ہے کہ آپ کے ہر کلام میں فرق معلوم ہو۔ مجھے تو یہ کلام بھی عارفانہ لگا ہے۔ آپ کے کلام کی ایک خوبی جو روحانی واردات کا خاصہ ہے وہ اس کلام میں بھی جا بجا نظر آتی ہے اور یہ خوبی اور خاصہ ہی آپ کے کلام کی پہچان ہے اور آپ کی شاعری کو دوسرے شاعروں کی شاعری سے جدا کرتی ہے۔ ہر شعر میں فطرت اور قدرت کی حقیقت کا بیان اور پھر اس میں چھپا ہوا سبق اور نصیحت۔ یہ چیز آپ کے ہر دو دور کے کلام میں نظر آتی ہے جیسے 2001ء کے بعد کے کلام میں سے یہ قطعہ

طلب دولت کی جب ہوتی ہے پیارو
بخیلی بے سبب ہوتی ہے پیارو
یہیں پر مال و زر ہے چھوڑ جانا
کفن میں جیب کب ہوتی ہے پیارو

اب ان اشعار میں ''کفن'' میں مستور جو حقیقت بیان کردی ہے وہ قابل داد ہے۔ اخروی عذاب سے ڈرانے کے لئے ''کفن'' پر بہت سے شاعروں کا کلام پڑھا ہے مگر یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے۔ دنیا میں کونسا کپڑا ہے جو سیا جائے اور اس میں جیب نہ ہو ما سوائے کفن کے۔ اور پھر بے حیائی کو الرجی قرار دے کر آج کے زمانہ کی حقیقت بیان کردی ہے۔ اسے ہم دیکھا دیکھی یا ریس یا نقل کے معنوں میں بالعموم استعمال کرتے ہیں مگر محترمہ نے ''پولن'' کا لفظ استعمال کر کے کیا حسن پیدا کر دیا ہے۔ وہ کہتی ہیں

فضا میں ہر طرف بکھرا ہے پولن بے حیائی کا
سو میری چار دیواری ہے، راحت ہے مرا پردہ

اور 2001ء سے پہلے کے کلام سے بھی اس حوالہ سے مثالیں دی جا سکتی ہیں جیسے ''لکن مٹی''، ''دو ہاتھوں کا المیہ'' ہیں۔ لکن مٹی میں گو عام کھیل کا ذکر ہے مگر روحانی رشتوں کی تلاش کا سبق ملتا ہے۔ ''دو ہاتھوں کے المیہ'' میں حقیقت بیان ہونے کے بعد یہ دعا بہت پیاری لگی

میرے ربا
دینے والے ہاتھ کو تو نے اتنا سب کچھ بخشا ہے
دینے والا دل بھی دے دے
وسعت دے دے نرمی دے دے

اپنے قرب کی گرمی دے دے

اور درج ذیل قطعہ میں دوسروں کے ساتھ ہونے والے مظالم یا بیتے جانے والے حالات کو اپنے اوپر کس حسین پیرایہ میں لاگو کیا ہے، اگر انسان کو ان مظالم کا ادراک ہو جائے تو وہ ظلم کرنا چھوڑ دے۔

دل پر ہاتھ پڑے جو مرا
کھینچ کے میں مٹھی میں بھرلوں
پھر اپنے نوکیلے ناخن اس میں گاڑوں
قطرہ قطرہ کرکے درد ٹپکتا دیکھوں

خاکسار کو تو بے شمار اشعار نے گرویدہ کیا۔ ان جذبات میں تمام کا ذکر تو نہیں ہو سکتا۔ تاہم ایک غزل ''دل ہو یا کہ گھر عرشی جب بسانا پڑتا ہے'' سے چند اشعار اس لیئے نمایاں کرنا چاہوگا کہ آج کے دور میں میاں بیوی کے درمیان ناچاقی کے واقعات عام ہیں۔ ایک بچی کو اپنا گھر بسانے کے لئے کیا کیا قربانی دینی پڑتی ہے۔

دل ہو یا کہ گھر عرشی جب گھر بسانا پڑتا ہے
اک نئے طریقے سے سب سجانا پڑتا ہے

☆☆

نت نئے تقاضوں سے توڑ پھوڑ ہوتی ہے
کچھ بچانا پڑتا ہے کچھ گرانا پڑتا ہے

☆☆

پردے، چادریں، قالین بدرنگے سے لگتے ہیں
گھر کی ایک اک شئے کو اجلوانا پڑتا ہے

☆☆

میز، کرسیاں، ٹی وی جگہیں سب بدلتے ہیں
پچھلی طرز کو یکسر بھول جانا پڑتا ہے

☆☆

سب پرانے بکسوں کی جھاڑ پونچھ ہوتی ہے

خط، رومال، تصویریں سب جلانا پڑتا ہے

اس کے علاوہ اور بہت سی نظمیں، غزلیں قابل داد تو ہیں ہی سبق آموز اور نصیحت آموز بھی ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ یہ کلام محترمہ کو مبارک کرے اور جس طرح انہوں نے خود ہی اپنے ''روحانی واردات قلبی'' یہ کلام محترمہ کو مبارک کرے اور جس طرح انہوں نے خود ہی اپنے ''روحانی واردات قلبی'' کلام کو وسیع میدانوں میں بہتے ہوئے ایسے پانی سے تشبیہ دی ہے جو بنجر زمینوں کو سیراب کر جاتا ہے۔ ہماری جماعت کی زمین گو بنجر نہیں، سرسبز و شاداب ہے۔ آپ کا کلام مزید سیرابی کا موجب ہوگا۔ بالخصوص تاریخ کے ایسے دوراہے پر جب ہم صد سالہ خلافت جوبلی منانے جا رہے ہیں جو اپنے خالق حقیقی کے حضور تشکر کا موقعہ ہے اور تشکر کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریق یہ ہے کہ ہم اللہ والے بن کر اور اس کی مخلوق سے محبت کرنے والے بن کر اور اپنے آپ کو اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کر کے نئی صدی میں داخل ہوں اور ان صفات سے اپنے آپ کو متصف کرنے کے لئے محترمہ ارشاد عرشی ملک کا کلام لازماً اور لازماً ممد و معاون ثابت ہوگا۔

اللھم تقبل منا و تب علینا انک انت التواب الرحیم

حنیف احمد محمود

اک صدا اک دعا

میرے اللہ
ہر پوشیدہ شے کو جاننے والے
غریبوں، بے کسوں، گرتے ہوؤں کو تھامنے والے
ترے اک حرفِ کن سے بن گئے ہیں آسماں سارے
زمیں کو فرش کی صورت بچھایا تو نے اے پیارے
ہر اک پاکیزہ دل پر تو نظر کرتا ہے رحمت کی
محبت کی خطا پوشی کی اور حسنِ مروت کی
ڈرے سہمے ہوؤں کو خوف میں تسکین دیتا ہے
ہر اک گرتے ہوئے کو قوتِ تمکین دیتا ہے
ہر اک مخلوق کی حاجت بر آری تو ہی کرتا ہے
غموں میں غمزدوں کی غمگساری تو ہی کرتا ہے
ترے در پر کوئی دربان نہ کوئی مصاحب ہے
ناں ہے کوئی وزیر ایسا
کہ جسکو پیش کر کے نذر کوئی بات بن جائے
نہیں تیرے علاوہ اور کوئی رب جہاں جاؤں
پکاروں کسکو میں، اپنی مرادیں کس سے میں پاؤں
مری سب حاجتوں سے سے بڑھ کے ہے جود و کرم تیرا
میں عاجز ہوں
میں بے کس ہوں

خدایا ـــــــــ رکھ بھرم میرا

نزولِ رحمت و برکات ہو میرے محمدؐ پر

اور اسکے بعد یہ برسات ہو آلِ محمدؐ پر

ترے محبوب کے صدقے میری حاجت بر آری ہو

سکوں دے دے مجھے اور دُور میری بے قراری ہو

میرے اللہ، مرے اللہ

تو ہر شئے پہ قادر ہے

محمدؐ اور اُنکی آل پر رحمت بہت کرنا

اور اسکے بعد مجھ عاجز پہ شفقت کی نظر کرنا

☆☆☆☆

حمدیہ قطعہ

تیرا دربار اقدس و اعلیٰ

میرے جیسوں کی سوچ سے بالا

معرفت بولنے نہیں دیتی

میرے ہونٹوں پہ پڑ گیا تالا

صبح صادق میں ایک کیفیت

حمد لکھتی ہوں تیری، جب تو سکھا تا ہے مجھے کیا لکھوں، کیسے لکھوں تو خود بتا تا ہے مجھے
صبح دم سوئے ہوئے یکدم جگا تا ہے مجھے نِت نئے نکتے، نئے مصرعے سجھا تا ہے مجھے
تُو مری تنہا ئی کے لمحوں میں میرے پاس ہے
تو مرا جذبہ، مری طاقت میرا احساس ہے

شعر بھی اُمڈے ہوئے ہیں نیند بھی آئی ہوئی تیری رحمت کی گھٹا بھی ٹوٹ کر چھا ئی ہوئی
جذب ومستی سے طبعیت خوب لہرا ئی ہوئی حالا نکہ پچھلے دنوں بے حد تھی گھنائی ہوئی
یہ وہ لمحے ہیں کہ تُو دل کہ بہت ہی پاس ہے
غیر کی محفل مرے دل کیلئے بَن باس ہے

جسکو اپنے قرب کی لذت چکھا دیتا ہے اُسکے دِل سے غیر کو یکسر اُٹھا دیتا ہے تو
منزل انمول کا بھی خود پتہ دیتا ہے تو پھر پکڑ کر ہاتھ رستے پر لگا دیتا ہے تو
یہ بھی اے محبوب تیری اک ادائے خاص ہے
مجھ سا پتھر بھی نگاہِ یار میں الماس ہے

کن کہا تُونے تو فَیَکُون کا اک در کھلا میرے چشم و دل پہ حیرت کا نیا منظر کھلا
تیری شانِ بے کراں کا جس قدر جوہر کھلا اس قدر بے چارگی کا در میرے اندر کھلا
اب میری حمد و ثنا تیرے لئے ہی خاص ہے
تُو سمندر لُطف کا ہے میرے لب پر پیاس ہے

ایک قطرے سے کئی دریا بہا سکتا ہے تو ایک گٹھلی سے گھنا جنگل اگا سکتا ہے تو
ریت کے ذرّے سے اک صحرا بنا سکتا ہے تو ایک آ دم سے نئی دنیا بسا سکتا ہے تو
چا رسو پھیلی ترے فضلوں کی سوندھی باس ہے
مجھ سے ناقص کو بھی تیری رحمتوں کی آس ہے

ہر خطا کا ہے مجھے اقرار مجھ کو بخش دے میں شکستہ عاشقِ بیمار مجھ کو بخش دے
اے مرے محسن مرے دلدار مجھ کو بخش دے تیری رحمت ہے مجھے درکار مجھ کو بخش دے
میرے ہر دکھ کی دوا تو صرف تیرے پاس ہے
تیری چا ہت ہی دلِ ویراں کو میرے راس ہے

☆☆☆☆

جے توں میرا ہو رہیں

جے قُرب مرے دی لوڑ ہوئے تے دِل نوں مَل مَل دھو
چھڈ رونق میلے مستیاں کدی کلیاں بہہ کے رو
ترے سِر توں سب کچھ وار دیاں دُنیا دا بُو اٹو
جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

حرفِ کُن

تیرے اک حرفِ کُن کی منتظر ہے آرزو میری
تیرے اک حرفِ کُن کی منتظر ہے جستجو میری
ادھورا پن ستاتا ہے، بڑی گہری اُداسی ہے
میری ہر اک تمنا تیرے حرفِ کن کی پیاسی ہے
ڈھلی ہے عمر لیکن سر جھکانا نہیں آیا
ترے در پر مجھے تو گڑگڑانا تک نہیں آیا
نمازوں میں حلاوت دے مجھے ذوقِ یقیں دے دے
برستی آنکھ، خستہ دل، جگر اندوہگیں دے دے
بچھونے پر مجھے اپنی رضا کے معتکف کر دے
اور اپنے حُسن کا اک آدھ جلوہ منکشف کر دے
ادھوری سی محبت ہے
ادھوری ہے وفا میری
تو کیسے باریابی کا شرف پائے دُعا میری
تری نظر کرم سے اک جہاں تشکیل ہو جائے
تو کُن کہہ دے مرے مالک
مِری تکمیل ہو جائے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

وعلٰی عبدہِ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو النّاصــــر

لندن

26-5-2006

مکرمہ ارشاد عرشی ملک صاحبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا جس کے ساتھ آپ نے اپنی دو نعتیں بھی بھجوائی ہیں۔ ماشاء اللہ بڑا پاکیزہ اور زندہ کلام ہے۔ میں انہیں الفضل میں شائع کرنے کے لیے بھجوا رہا ہوں۔ جس محبت اور عشق میں یہ نعتیں آپ نے لکھی ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوں اور اپنوں کو بھی اور غیروں کو بھی ہمارے پیارے نبی ﷺ کا اعلیٰ وارفع مقام پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان نعتوں کا جو پس منظر آپ نے بیان کیا ہے وہ بھی میں نے پڑھ لیا ہے۔ جب

حالات ایسے ہوں کہ لوگ اچھے اور برے میں تمیز کرنے سے عاری ہوں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اللہ ایسے بد نصیب لوگوں کے شر سے آپ کو بھی اور ہر احمدی کو بھی محفوظ رکھے۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو۔ آمین

بہرحال آپ کو ہر دکھ کا بہت ثواب مل جائے گا۔

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خلیفۃ المسیح الخامس

نبوت ختم ہے تجھ پر کا پسِ منظر

اگلے صفحات پر جو نعت آپ ملاحظہ کریں گے کہ وہ میری طویل ترین نعت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص عطا ہے اور اللہ تعالیٰ کی فعلی تجلی کی ایک شہادت ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ غیر از جماعت خواتین کی ایک محفل میں الھدیٰ سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون نے اس عاجزہ کو احمدیت کے حوالے سے بہت برا بھلا کہا۔ کافر اور غیر مسلم کہا اور الزام لگایا کہ تم لوگ رسولِ پاک ؐ کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ وغیرہ وغیرہ

میں نے وضاحت کرنے کی بہت کوشش کی کہ جس شان اور عظمت کے ساتھ ہم آپکوؐ خاتم النبین مانتے ہیں دوسرے لوگ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن وہاں میری بات سننے کو کوئی تیار نہ تھا۔ ناچار میں آزردہ دِل اور آبدیدہ آنکھوں سے واپس لوٹ آئی۔ دِل درد سے بھرا ہوا تھا، ایسے میں براھینِ احمدیہ کی جلد پنجم اٹھا کر پڑھنے لگی۔ یہ اشعار نظر سے گزرے

اس بے نشان کی چہرہ نمائی نشاں سے ہے — سچ ہے کہ سب ثبوتِ خدائی نشان سے ہے
ہر دم نشانِ تازہ کا محتاج ہے بشر — قصّوں کے معجزات کا ہوتا ہے کب اثر
پر وہ سعید جو کہ نشانوں کو پاتے ہیں — وہ اُس سے مل کے دِل کو اُسی سے ملاتے ہیں
وہ اس کے ہو گئے ہیں اُسی سے وہ جیتے ہیں — ہر دم اُسی کے ہاتھ سے اک جام پیتے ہیں
ان سے خدا کے کام سبھی معجزانہ ہیں — یہ اس لئے کہ عاشقِ یارِ یگانہ ہیں
ان کو خدا نے بخشی ہے غیروں سے امتیاز — اُن کے لئے نشاں کو دکھاتا ہے کارساز
جب دشمنوں کے ہاتھ سے وہ تنگ آتے ہیں — جب بد شعار لوگ اُنہیں کچھ ستاتے ہیں
جب ان کے مارنے کے لئے چال چلتے ہیں — جب ان سے جنگ کرنے کو باہر نکلتے ہیں
تب وہ خدائے پاک نشاں کو دکھاتا ہے — غیروں پہ اپنا رعبِ نشاں سے جماتا ہے
کہتا ہے یہ تو بندۂ عالی جناب ہے — مجھ سے لڑو اگر تمہیں لڑنے کی تاب ہے

صفحہ نمبر ۳۰ پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

''زندہ ایمان حاصل نہیں ہوسکتا جب تک خدا کی طرف سے انا الموجود کی آواز زوردار طاقتوں کے ساتھ معجزانہ رنگ میں اور خارقِ عادت کے طور پر سناتی نہ دے اور فعلی طور پر اسکے ساتھ دوسرے زبردست نشان نہ ہوں''

یہ سب پڑھ کر دِل میں درد پیدا ہُوا اور خواہش پیدا ہوئی کہ اے اللہ اپنی قولی یا فعلی تجلی سے اس زخمی دِل پر مرہم رکھ۔ غرض دُکھی دلوں کی فریاد کو سننے والے قادرِ مطلق نے میری طبیعت کو لکھنے کی طرف مائل کیا اور زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیئے کہ

نبوت ختم ہے تجھ پر، رسالت ختم ہے

شاید اس لئے کہ میں اُنہیں خاتم النبین کے حوالے سے اپنا نکتہ نظر نہیں سمجھا سکی تھی اور دل میں جو درد بھرا ہوا تھا وہ اس نعت کی صورت میں پھوٹ نکلا۔

نبوت ختم ہے تجھ ؐ پر رسالت ختم ہے تجھ ؐ پر

نبوت ختم ہے تجھ ؐ پر رسالت ختم ہے تجھ ؐ پر
تیرا دیں ارفع و اعلی، شریعت ختم ہے تجھ پر

ہے تیری مرتبہ دانی میں پوشیدہ خُدادانی
تو مظہر ہے خدا کا نورِ وحدت ختم ہے تجھ پر

ترے ہی دم سے بزمِ انبیا کی رونق و زینت
تو صدرِ انجمن، شانِ صدارت ختم ہے تجھ پر

تری خاطر ہوئے تخلیق یہ ارض و سما سارے
یہی وجہ ضرورت تھی ضرورت ختم ہے تجھ پر

خدا خود نعت لکھتا ہے تری قرآن کی صورت
عجب ہے شانِ محبوبی، وجاہت ختم ہے تجھ پر

مزمل بھی، مدثر بھی ہے تو یاسین و طٰہٰ بھی
انوکھے نام ہیں تیرے یہ ندرت ختم ہے تجھ پر

شریعت کے محل کا آخری پتھر ہے تو پیارے
ادھورے کو کیا پورا، یہ سنت ختم ہے تجھ پر

ترے ہی ہا تھ سے تکمیلِ دیں اللہ نے فرمائی
ہُوا اتمام نعمت کا یہ نعمت ختم ہے تجھ پر

نہیں ہے باپ گرچہ تُو کسی بھی مرد کا لیکن
تو مُہرِ انبیا، شانِ رسالت ختم ہے تجھ پر

نہیں حاجت کسی دستور کی اب بعد قرآں کے
یہی منشورِ کامل، کاملیت ختم ہے تجھ پر

کیا وہ کام تنہا جو نبی مل کر نہ کر پائیں
فہم انمول تیرا، قابلیت ختم ہے تجھ پر

تو آ کر بعد میں بھی سب پہ بازی لے گیا پیارے
یہ ہمت ختم ہے تجھ پر، یہ سبقت ختم ہے تجھ پر

خُدا میں جذب ہوکر تو ابد تک ہو گیا زندہ
فنا ہوکر بقا پائی، طریقت ختم ہے تجھ پر

تری ہی ذات میں آکر ہُوئی اکمل ہر اک خوبی
مروت ہو، متانت ہو کہ اُلفت، ختم ہے تجھ پر

خدا کے نام گر سو ہیں تو تیرے ایک کم سو ہیں
صفاتِ ذاتِ باری سے شباہت ختم ہے تجھ پر

کہا جبریل نے ''اقراء''، کہا میں پڑھ نہیں سکتا
کمالِ عاجزی کی یہ علامت ختم ہے تجھ پر

شبِ معراج تو نے بامِ عرفاں کو چھوا جا کر
یہی حدِ فضیلت تھی، فضیلت ختم ہے تجھ پر

توہفت افلاک کو اک جست میں طے کرگیا پیارے
یہ شوکت، یہ سعادت، یہ امامت ختم ہے تجھ پر

جہا ں جبریل کے جلتے تھے پر تو اُس جگہ پہنچا
تو منزل ہے رہِ حق کی مسا فت ختم ہے تجھ پر

خُدا سے عشق ایسا تھا ملائک ہوگئے حیراں
لگے سرگوشیاں کرنے محبت ختم ہے تجھ پر

ہزاروں سال میں جو راہِ اُلفت طے نہ ہوتی تھی
دنوں میں طے کرا دی وہ قیادت ختم ہے تجھ پر

پکا را تُونے جب کوہِ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو
عجب اندازِ دعوت تھا یہ دعوت ختم ہے تجھ پر

ترا ہی نام وجہِ شرف و عزت دوجہانوں میں
تو ہے خیر البشر، سب خیر و برکت ختم ہے تجھ پر

قیامت تک تیرے ہی فیض کا جاری ہے اب دریا
تری بخشش نرالی ہے، سخاوت ختم ہے تجھ پر

ہے دستور العمل قرآن، سچا رہنما تو ہے
یہی رازِ حقیقت ہے، حقیقت ختم ہے تجھ پر

ترے آوازۂ حق نے بپا محشر کیا جگ میں
تری بعثت قیامت تھی، قیامت ختم ہے تجھ پر

کمالاتِ رسالت حق نے تجھ پر وار کر سارے
کہا پھر پیار سے پیارے، رسالت ختم ہے تجھ پر

تو صادق بھی امیں بھی تھا، یہ دُشمن تک پکار اُٹھے
صدا قت ختم ہے تجھ پر، امانت ختم ہے تجھ پر

کروڑوں وحشیوں کو تُو نے انسانی چلن بخشے
مرے محسن کمالِ آدمیت ختم ہے تجھ پر

تو وہ صبح صداقت ہے نہیں ڈر شام کا جس کو
تُو کوہِ استقامت ہے، کرامت ختم ہے تجھ پر

کیا پیتل کو بھی مَس تو زرِ خالص بنا ڈالا
تھا تیرے لمس میں جادو، یہ قدرت ختم ہے تجھ پر

پڑے جس پر ترا پرتو حسیں ہوجائے وہ یکدم
کہ سارا حسنِ صورت، حسنِ سیرت ختم ہے تجھ پر
دُعاؤں سے تری عالم کا عالم ہوگیا زندہ
انوکھا معجزہ، زندہ کرامت ختم ہے تجھ پر
تُو غفلت کے، جہالت کے حجابوں سے چُھڑاتا ہے
یہ علم و معرفت، فہم و فراست ختم ہے تجھ پر
سبھی ظلمات کے پردے اُٹھائے عقل انساں سے
کیا حق الیقیں پیدا، یہ شوکت ختم ہے تجھ پر
جو دِل صدیوں سے مُردہ تھے کئے زندہ دُعاؤں سے
یہ جذبِ دِل یہ تاثیرِ محبت ختم ہے تجھ پر
بھٹکتی ڈولتی انسانیت کو راہ پر ڈالا
تو اک بے مثل قائد تھا، قیادت ختم ہے تجھ پر
سبھی آداب جینے کے سکھائے تو نے دنیا کو
لطافت ختم ہے تجھ پر، نظامت ختم ہے تجھ پر
عجب تھا حوصلہ، ہر جاں کے دُشمن کو اماں دے دی
تُو اعلیٰ ظرف تھا، ترکِ شکایت ختم ہے تجھ پر
مئے عرفاں پلائی تُو نے خاص و عام کو یکساں
کیا مستی میں بے خود، رنگِ صحبت ختم ہے تجھ پر
تو سر خیلِ گدا یانِ محبت ہے قیامت تک
خُدائے پاک سے بے لوث چاہت ختم ہے تجھ پر
قرینے تُو نے زکر و فکر کے دنیا کو سکھلائے
ریاضت ختم ہے تجھ پر عبادت ختم ہے تجھ پر

خُدا کا دین غالب ہو، یہی خالص تمنا تھی
حبیبِ کبریا، اخلاصِ نیّت ختم ہے تجھ پر

زمیں و آسماں پر شور اک صل علیٰ کا ہے
تُو طاہر ہے، مطّہر ہے، طہارت ختم ہے تجھ پر

ترے در کی گدائی میں ہے پوشیدہ شہنشاہی
تُو شا ہِ دوجہاں ہے، بادشاہت ختم ہے تجھ پر

خُدا کا مظہر اتّم تھی تیری ذاتِ سبحانی
غضب پر پیار غالب، جوشِ رحمت ختم ہے تجھ پر

محبت وہ خُدا سے کی کہ دُشمن تک پکار اُٹھے
تُو اپنے ربّ پہ عاشق ہے یہ جدت ختم ہے تجھ پر

تری ذات و صفات، افعال سب لاریب پاکیزہ
تقدس خود پکار اُٹھا کہ عفت ختم ہے تجھ پر

تیرے فیضاں کا ٹھاٹھیں ما رتا دریا رواں اب تک
یہ لطفِ بے نہایت، یہ مروت ختم ہے تجھ پر

تُو عاشق تھا خدا اور خدا عاشق ہوا تیرا
یہ آغازِ وفا، انجامِ الفت ختم ہے تجھ پر

جو شیدائے محبت ہیں، جو دانائے محبت ہیں
تُو سب کی سوچ سے بالا کہ رفعت ختم ہے تجھ پر

جو اربابِ تدّبر ہیں وہ بے کھٹکے یہ کہتے ہیں
ترا ہی ذکر اب جاری، حکایت ختم ہے تجھ پر

تو یکتا ہے خُدا کے عشق کے میدان میں پیارے
وہ سوزِ خاص، وہ جذبِ محبت ختم ہے تجھ پر

کیا وہ عشق بے پایاں، خُدا کو رکھ لیا دل میں
مرے آقاؐ، دل عاشق کی وسعت ختم ہے تجھ پر

نہیں ہم جانتے تُو عشق کی کس راہ سے گزرا
بس اتنا جانتے ہیں دردِ فرقت ختم ہے تجھ پر

خدا کا عشق تجھ کو لے گیا کوئے ملامت میں
ملامت وہ سہی، حدِ ملامت ختم ہے تجھ پر

سلگتا تھا ترا سینہ اُبلتی دیگ کی مانند
عجب تھی عشق کی حِدت یہ حدت ختم ہے تجھ پر

گدازِ غم نے چہرے کو انوکھا نور بخشا تھا
سکینت خود یہ کہتی تھی سکینت ختم ہے تجھ پر

ہر عسر و یسر میں راضی رہا تو اپنے مو لا سے
اے عالی مرتبت، صبر و قناعت ختم ہے تجھ پر

تیرے سر کے لئے پتھر تھے پیروں کے لئے کانٹے
مگر لب پر دُعا تھی، جوشِ رحمت ختم ہے تجھ پر

سفر طائف کا زخمی تھا بدن لب پر دُعائیں تھیں
اے کوہِ استقامت، عزم و ہمت ختم ہے تجھ پر

جو پیاسے خون کے تھے اُن کی بخشش کی دُعائیں کیں
مرے محبوب، لُطفِ بے نہایت ختم ہے تجھ پر

ترا مکّے سے وہ چھپ کر نکلنا یاد آتا ہے
تھا ٹھنڈی آہ میں جو دردِ ہجرت ختم ہے تجھ پر

قیامِ شب میں سُوجے پاؤں اور آنکھیں ہوئیں جل تھل
عبادت میں یہ بے پایاں مشقت ختم ہے تجھ پر

خدا کے واسطے تا عمر تُو نے سختیا ں جھیلیں
عجب تھی صبر کی طاقت یہ قوت ختم ہے تجھ پر
گواہی لا الہ کی دی، جہاں کو کرلیا دُشمن
عجب تھا حوصلہ، جرات، جسارت ختم ہے تجھ پر
رہِ حق میں جو تو نے دُکھ سہے تیرا ہی حصہ تھے
اذیّت ختم ہے تجھ پر، صعوبت ختم ہے تجھ پر
ترے ہمراہ خُدا تھا اور مخالف اک خُدائی تھی
غضب تھی شانِ استغنا، متانت ختم ہے تجھ پر
پرائے تھے کہ اپنے سب کے سب دشمن ہوئے تیرے
یہ دردِ بے کسی، حد مصیبت ختم ہے تجھ پر
وہ تیرا نرغہ دشمن میں بڑھتے ہی چلے جانا
عزیمت ختم ہے تجھ پر شجاعت ختم ہے تجھ پر
تو میدانِ وفا میں ایسا بے خوف و خطر آیا
ہر اک دل نے کہا شوقِ شہادت ختم ہے تجھ پر
تیری نرمی حلیمی بھی علامت تھی نبوت کی
صباحت ختم ہے تجھ پر، ملاحت ختم ہے تجھ پر
جو آئے قتل کرنے کو ہوئے شامل غلاموں میں
دلوں کو جیت لینے کی مہارت ختم ہے تجھ پر
ستم سہنے کی لذت سے ہمیں واقف کیا تو نے
تری اس جورِ بے پایاں سے رغبت ختم ہے تجھ پر
تو مسکینوں، یتیموں کے لئے تھا اک گھنا سایہ
غریبوں، بے کسوں پر خاص شفقت ختم ہے تجھ پر

رہا فاقے سے خود مہماں کو لیکن سیر کر ڈالا
یہ استغناء یہ اندازِ ضیافت ختم ہے تجھ پر

مسلسل پیٹ کو بھر کر کبھی کھانا نہیں کھایا
یہ مسکینوں سے یک جہتی کی عادت ختم ہے تجھ پر

من و سلویٰ بھی مل سکتا تھا پر تو نے نہیں چاہا
تجھے نانِ جویں بھایا، یہ غربت ختم ہے تجھ پر

کبھی لذّاتِ دنیا سے کو ئی حصہ نہیں چاہا
خدا کے ہا تھ سب بیچا، یہ بیعت ختم ہے تجھ پر

وہ زہد و پارسائی کی، کہ شاہی میں گدائی کی
سرِ تسلیم خم ایسا، اطاعت ختم ہے تجھ پر

غلا ظت سے بھرے بستر کو اپنے ہاتھ سے دھویا
کسی مہماں کی یہ خاطر مدارت ختم ہے تجھ پر

نہ آلودہ تجھے کر پائی اس دُنیا کی آلائش
گواہی روز و شب نے دی نفاست ختم ہے تجھ پر

نہ مال اسباب کی پروا، نہ جاہ و حشم پر تکیہ
فقر تھا تیرا سرمایہ، یہ دولت ختم ہے تجھ پر

ترے دربار میں شاہ و گدا اک تھے مراتب میں
مرے منصف یہ اندازِ عدالت ختم ہے تجھ پر

تو اس دُنیا کی عزّ و جاہ کو ٹھوکر پہ رکھتا تھا
فقر کو تونے عظمت دی، قناعت ختم ہے تجھ پر

عجب تھا تیرا ستر بار استغفار کرنا بھی
خدا کے سامنے عجز و ندامت ختم ہے تجھ پر

عمل کر کے دکھایا تو نے خود احکامِ قرآں پر
نصیحت خوب کی، طرزِ نصیحت ختم ہے تجھ پر

تجھے دیکھا، سنا جس نے وہ تیرا ہوگیا شیدا
سراپا تھا تیرا قرآں، تلاوت ختم ہے تجھ پر

جو خط شاہوں کو لکھوائے بہت نایاب ہیں عرشیؔ
گواہ تحریر ہے، خط و کتابت ختم ہے تجھ پر

ترا ہر مختصر فقرہ، خزینہ معرفت کا ہے
ترے حرفوں میں تھی جو معنویت ختم ہے تجھ پر

بدن مصروف تھا اور دل خُدا کے واسطے فارغ
ترے قربان یہ رنگِ فراغت ختم ہے تجھ پر

خدا کے در پہ تُو دُھونی رما کر عمر بھر بیٹھا
یہ استقلال، یہ شوقِ ارادت ختم ہے تجھ پر

تری خلوت میں رونق تھی، تری جلوت میں تنہائی
یہ خلوت ختم ہے تجھ پر، یہ جلوت ختم ہے تجھ پر

مبشر بھی تو منذر بھی، تیرا منصب تھا ہادی کا
بہت تلقین کی، اتمام حجت ختم ہے تجھ پر

مقامِ عالی، کلامِ عالی، پیامِ عالی، دوامِ عالی
تو عالی مرتبت ہے شرف و عزت ختم ہے تجھ پر

سرِ محفل خدائے پاک سے سرگوشیاں جاری
یہ عشق و عاشقی، یہ شوق و شدّت ختم ہے تجھ پر

ترا رتبہ تھا کیا اس راز کو سمجھی نہیں دنیا
ہے قصہ مختصر اللہ سے قربت ختم ہے تجھ پر

نہ تجھ جیسا یہاں کوئی، نہ تجھ سا دوسرا کوئی
مری سوچیں ہیں ششدر میری حیرت ختم ہے تجھ پر

کلام ایسا کہ عرشی روح کے سب تار بج اُٹھیں
خطاب ایسا کہ کہتے ہیں خطابت ختم ہے تجھ پر

خدا کے حکم کی بے حرمتی تو سہہ نہ سکتا تھا
رخِ روشن یہ کہتا، ذوقِ غیرت ختم ہے تجھ پر

کبھی نشتر کبھی مرہم، مناسب جو بھی تھا برتا
طبابت ختم ہے تجھ پر جراحت ختم ہے تجھ پر

نکالا مجھ کو دنیا کی طلسمی قید سے تو نے
مرے پیارے تری بے لوث شفقت ختم ہے تجھ پر

تجھے سوچا، تجھے جانا، تجھے چاہا، تجھے لکھا
تو میرا پیار ہے میری عقیدت ختم ہے تجھ پر

ترا صدق و صفا لکھوں، تری شانِ حیا لکھوں
میں ناقص ہوں میں کیا لکھوں کہ عصمت ختم ہے تجھ پر

مری پہچان ہے تجھ سے حوالہ ہے مرا تو ہی
تو ہے نام و نسب میرا یہ نسبت ختم ہے تجھ پر

مرے زخموں کو بھی درکار ہے مرہم محبت کا
طبیبِ اہلِ دل ہے تو، طبابت ختم ہے تجھ پر

محبت میں تری بہتے ہوئے آنسو یہ کہتے ہیں
سہے تو نے وہ غم کہ سوز و رقت ختم ہے تجھ پر

بروزِ حشر مجھ ناقص پہ رحمت کی نظر کرنا
شفیع بھی ہے تو محسن بھی شفاعت ختم ہے تجھ پر

ترے الطاف کی ہے آرزو ہم نابکاروں کو
ہمیں معلوم ہے، لطف و عنایت ختم ہے تجھ پر

بروزِ حشر جب اک شور ہوگا نفسی نفسی کا
تجھے اُمت کا غم ہوگا، رفاقت ختم ہے تجھ پر

تو وعدہ کر گیا اُمت سے کوثر پر مجھے ملنا
یہ تمہید عنایت یہ مروت ختم ہے تجھ پر

تری رحمت کی اُمیدوں پہ بیٹھے ہیں کئی عاصی
انہیں یہ آس ہے آقا، شفا عت ختم ہے تجھ پر

مٹا کر خود کو میں تیرے لئے جب خاک ہوجاؤں
مجھے قدموں میں رکھ لینا، مدارت ختم ہے تجھ پر

ہو تیری آلِ جسمانی کہ روحانی معزز ہے
شرافت ختم ہے تجھ پر، نجابت ختم ہے تجھ پر

رفیق اعلیٰ، رفیقِ اعلیٰ، یہی الفاظ تھے لب پر
بوقتِ واپسی یہ شوقِ رخصت ختم ہے تجھ پر

تو بے شک رحمتوں کا سائباں ہے دو جہانوں میں
خدا کا تو خلیفہ ہے، خلافت ختم ہے تجھ پر

خطا ب ایسا کہ بحرِ بیکراں کوزے میں آ سمٹے
فصاحت ختم ہے تجھ پر، بلاغت ختم ہے تجھ پر

عجب خو حق شناسی کی تجھے مالک نے بخشی تھی
فہم کامل، نظر کامل، ذہانت ختم ہے تجھ پر

بنا حکم خدا کے تونے ہرگز لب نہیں کھولے
یہ آدابِ وفا، طلب اجازت ختم ہے تجھ پر

تری تقریر میں تقویٰ، تری تحریر میں تقویٰ
سراپا تھا ترا تقویٰ، دیانت ختم ہے تجھ پر

خبر دی تونے صدیوں بعد کے ادوار کی ہم کو
بصارت ختم ہے تجھ پر، بصیرت ختم ہے تجھ پر

حدیثیں ہیں کہ گویا قرب کی محفل سجائی ہے
ترا اُمت سے یہ رنگ قرابت ختم ہے تجھ پر

بشارت تونے دی امت کو اک موعود عیسیٰ کی
امیدیں جی اُٹھیں حسن بشارت ختم ہے تجھ پر

کہا تونے کوئی مہدی نہیں عیسیٰ ہی مہدی ہے
وضاحت خوب کی طرزِ وضاحت ختم ہے تجھ پر

وہ آیا وقت پر مردہ دلوں میں زندگی بھردی
ترا ہر لفظ تھا برحق صداقت ختم ہے تجھ پر

تجھی سے نور لے کر اُس نے دُنیا کو کیا روشن
ترا خاور درخشاں ہے یہ سطوت ختم ہے تجھ پر

مسیح نے جب ہمیں ''خاتم'' کے سب مفہوم سمجھائے
تو تب ہم نے یہ جانا، خاتمیت ختم ہے تجھ پر

جو یہ نعت نبی پڑھے خدا اس کو فہم بخشے
خود اُس کا دل پکارے ہر فضیلت ختم ہے تجھ پر

عقیدت کی یہ کلیاں، اک شکستہ دل کے ٹکڑے میں
انہیں دامن میں بھرلینا، عنایت ختم ہے تجھ پر

مرے ٹوٹے ہوئے دل کے لئے مرہم تری باتیں
جو تیرے ذکر سے ملتی ہے راحت ختم ہے تجھ پر

مرے اشعار تیری برکتوں کے بحر کا قطرہ
انہیں اپنی مہک دے دے کہ برکت ختم ہے تجھ پر
جو مجھ ناچیز نے سمجھا ہے سب لفظوں میں ڈھالا ہے
خطا سے درگذر کرنا مروت ختم ہے تجھ پر
تری عظمت کو چھونے سے قلم قاصر رہا آقا
مری بھی پردہ پوشی ہو، رعایت ختم ہے تجھ پر
خدا کے فضل کی فعلی شہادت ہیں یہ سب مصرعے
ترے صدقے یہ نصرت ہے یہ نصرت ختم ہے تجھ پر
قلم رکنا نہیں لکھتا ہی جاتا ہے روانی میں
یہ تیرا فیض و بخشش ہے سخاوت ختم ہے تجھ پر
ادھر جذبوں کی منہ زوری، ادھر لفظوں کی کمزوری
مری بے مائیگی کہتی ہے حسرت ختم ہے تجھ پر
ترے عاشق کو جو کافر کہے عرشیؔ اُسے کہنا
ذرا یہ نعت پڑھ ناداں، کدورت ختم ہے تجھ پر
خدا کے بعد نشہ ہو جسے عشق محمدؐ کا
اُسے کافر نہ کہہ جاہل، جہالت ختم ہے تجھ پر

ازل سے ہی تو خاتم الانبیاءؐ تھا

ازل سے ہی تُو خَاتَم الانبیاؐء تھا
ازل سے ہی تُو نقطۂِ منتہا تھا

جب ارض و سما نہ زمان و مکاں تھا
اندھیرا خلا تھا، دھواں ہی دھواں تھا

نہ تھے چاند سورج، نہ تھیں کہکشائیں
نہ بادل، نہ بارش، نہ ٹھنڈی ہوائیں

سمندر نہیں تھے، فضائیں نہیں تھیں
یہ موسم نہیں تھے، گھٹائیں نہیں تھیں

تھی بزمِ عناصر عجب زلزلوں میں
جب آدم تھا تخلیق کے مرحلوں میں

تھا مٹی میں پانی میں، گارے میں لت پت
کل انسانیت تھی خسارے میں لت پت

ملائک تھے حیراں، عجب بے کلی تھی
تجسس تھا وہ سب کی جاں پر بنی تھی

نظر تب بھی خالق کی تجھ پر لگی تھی
اور ایسی نظر جس میں وارفتگی تھی

ترے واسطے ہی یہ سب غلغلہ تھا
ترے واسطے ہی جہاں سج رہا تھا

تُو اُس وقت بھی نقطۂ منتہا تھا
تُو اُس وقت بھی خَاتَم الانبیاء تھا

☆☆☆☆

نذرِ مصطفےٰؐ

بے سُری دُنیا میں آہنگ و ترنم آپؐ ہیں
خُلقِ اعظم آپؐ، قرآنِ مجسم آپؐ ہیں

ہے پسِ پردہ خُدا محوِ تکلم آپؐ ہیں
رحمتِ یزداں کے ہونٹوں کا تبسم آپؐ ہیں

آپ کو تخلیق کرکے مسکرا اُٹھا خُدا
پھر کہا بے ساختہ صلی علیٰ صلی علیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما

یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریمؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی اس پر درود اور سلام بھیجو۔
بحوائے آیت کریمہ بالا وجہ تخلیق کائنات سرور عالمؐ کی ذات بابرکات پر درود و سلام بھیجنے والوں کی کسی زمانے میں کمی نہیں رہی، حضرت حسان بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن رواحہ شاعر دربار رسولؐ سے لے کر آج تک ایک سے ایک بڑھ کر نعت گو پیدا ہوا۔ غالب نے بھی کہا

غالب ثنائے خواجہ بیزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

اور یہ کہہ کر مدح رسولؐ کو حوالہ بخدا کیا کہ وہی ذات آپ کی مرتبہ شناس ہے۔ مگر اس زمانہ میں ایک ایسا عاشق رسول بھی پیدا ہوا جس نے اس بلند و برتر مقام رسول سے بھی ہمیں آگاہ کیا اور کیا خوب فرمایا

شانِ احمد را کہ داند جز خداوند کریم
آنچناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم

کہ احمد کی شان خدا کے سوا کون جانتا ہے جس نے فنا فی اللہ ہو کر اپنی ذات یوں مٹا دی کہ جیسے احمد سے میم گر کر ''احد'' رہ گیا۔ نعت کا یہ عارفانہ منفرد انداز شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو، جس کی وجہ اس نعت گو کا فنا فی الرسولؐ ہونا ہے۔ ہماری مراد حضرت بانی جماعت احمدیہ سے ہے، جن کی اردو، فارسی، عربی نظم و نثر عشق رسول کا جداگانہ رنگ رکھتی ہے۔ مگر آپ کے کلام میں بھی عربی قصیدہ **یا عین فیض اللہ و العرفان** ایک خاص شان کا حامل ہے جب آپ 72 اشعار پر مشتمل یہ قیصدہ کہہ چکے تو بروایت حضرت پیر سراج الحق نعمانی صاحب چہرہ مبارک خوشی سے چمکنے لگا اور فرمایا کہ ''یہ قصیدہ جناب الٰہی میں مقبول ہو گیا۔ اور خدا نے مجھ سے فرمایا کہ جو اس قصیدہ کو حفظ کرلے گا اور ہمیشہ پڑھے گا میں اس کے دل میں اپنی اور اپنے رسولؐ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دوں گا اور اپنا قرب عطا کروں گا''۔
اس قصیدہ کے اولین اردو ترجمہ اور تشریح کی سعادت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب کے حصہ میں آئی۔ اور جیسا کہ انہوں نے دعا کی تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں عاشق رسول قصیدہ گو علامہ محمد البوصیری

کی طرح اس قصیدہ کے اور بیماری سے شفاء عطا فرمائی۔ اس قصیدہ کے منظوم اردو ترجمہ پر پہلی طبع آزمائی 2003ہمارے بھائی عبدالکریم قدسی صاحب نے کی اور مثنوی کے انداز میں یہ منظوم ترجمہ کرکے اولیت کا مقام پایا۔ حال ہی میں ہماری بہن معروف شاعرہ ارشاد عرشی ملک صاحبہ نے اسی قصیدہ کا منظوم ترجمہ کرکے اولیت کا مقام پایا۔ حال ہی میں ہماری بہن معروف شاعرہ ارشاد عرشی ملک صاحبہ نے اسی قصیدہ کا منظوم ترجمہ غزلیہ رنگ میں کرکے اس کے مضمون کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ اپنی نسوانی نفاست، فصاحت و بلاغت کے روانی وسلاست اور ترنم وشعریت قائم رکھنے میں قید ترجمہ کے باوجود خوب کامیاب ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے اور اپنے پاک رسول کی محبت وشفاعت اور اپنا قرب نصیب کرے اور کیا عجب کہ ان کی یہ پاکیزہ خدمت شفاعت رسول کا موجب بن جائے۔ خدا کرے۔ آمین۔

حافظ مظفر احمد

ربوہ

حضرت مسیح موعودؑ کے حضور اپنے

عجز و ندامت اور کوتاہی کا اعتراف اور عرضِ حال

ترجمہ کرنا ''قصیدے'' کا کڑا تھا امتحاں
وہ بھی پھر منظوم عرشیؔ اور میں ناقص بیاں
فضل نے اللہ کے خود دستگیری کی مری
ورنہ مجھ بے کس سے کب اُٹھتا تھا یہ کوہِ گراں
چشم پوشی کی میں طالب ہوں مرے پیارے مسیحؑ
آپ سلطان القلم ہیں، میں ہوں عاجز ناتواں
پر ''قصیدہ'' پڑھ کے دل اس طور بے قابو ہُوا
کوچۂ محبوب میں جیسے ہو رقصِ بِسملاں
یہ ''قصیدہ'' ہے خُدا کی برکتوں کا اک نشاں
دل نشیں اشعار ہیں گویا جواہر کی دُکاں
اس کو لکھ کر جگمگا اُٹھا تھا چہرہ آپکا
اور پھر ہونٹوں سے یہ نکلا برنگِ عاشقاں
جو بھی اس کو حفظ کرلے یا ہمیشہ ہی پڑھے
جوئے عشقِ مصطفےٰؐ وہ دِل میں پائے گا رواں
بارگاہِ عشق میں لفظوں کا نذرانہ ہے یہ
عشق لفظوں سے عیاں ہے، عشق سطروں میں نہاں
جدّت و ندرت سے پُر عرشیؔ ادب پارہ ہے یہ
اہلِ علم، اہلِ ادب کے واسطے اک کہکشاں

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وعلٰی عبدہِ المسیح الموعود
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھوالنّاصر

11-7-06

مکرمہ عرشی ملک صاحبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط اور منظوم کلام موصول ہوا۔ قصیدہ کا منظوم ترجمہ کرتے ہوئے تو آپ نے بالعموم قریب قریب وہی الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کی ہے جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے خود بھی اپنے عربی قصیدہ میں استعمال فرمائے ہیں۔ بہرحال آپ نے یہ ایک بہت ہی اچھی کوشش کی ہے۔ماشاء اللہ۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اللہ آپ کے کلام میں اور زیادہ نکھار پیدا فرماتا رہے۔ آمین۔

بہت خوشی ہوئی کلام عطا ہے۔ نہایت خوش الحانی سے ادا فرمایا۔ الحمد للہ، دوبارہ

والسلام

خاکسار

[signature]

خلیفۃ المسیح الخامس

نقل دفتر PS لندن

حضرت مسیح موعودؑ کے مشہور

''قصیدہ'' کا منظوم ترجمہ

یـا عیــن فیـض اللہ و العـرفـان　　　یسعـی الیک الـخلق کالظماٰن

اے خُدا کے فیض اور عرفان کے آبِ رواں
تری جانب دوڑتا ہے اک ہجومِ تشنگاں

یـا بـحـر فـضـل الـمـنعم المنان　　　تھـوی الیک الـزمـر بـالکیزان

اے سمندر منعم و منّان کے افضال کے
لوگ اُمڈے آ رہے ہیں لے کے کوزے مٹکیاں

یا شمس ملک الحسن و الاحسان　　　نـورت وجــہ البــر و الـعمـران

اے زمینِ حُسن و احساں کے درخشاں آفتاب
تو نے روشن کردیئے اُجڑے چمن، آبادیاں

قــوم راوک و امۃ قـد اخبـرت　　　مـن ذلک البـدر الـذی اصبانی

اک جماعت نے تجھے دیکھا ہے اور اک نے سُنا
تو کہ جس نے مجھ کو دیوانہ کیا بدرِ جہاں

یبـکـون من ذکر الجمال صبابۃ　　　و تــالـمــا مـن لـوعۃ الھجـران

تیرے حُسن و دِلکشی کی یاد میں روتے ہیں وہ
سوزشِ فرقت سے عاشق ہیں ترے گریہ کناں

و اری القلوب لدی الحناجر کربة　　　و اری الغروب تسیلها العینان

دیکھتا ہوں کرب سے ہیں دِل گلے تک آگئے
ہوگئیں آنکھوں سے جاری آنسوؤں کی ندّیاں

یا من غدا فی نوره و ضیائه　　　کالنیرین و نور الملوان

اے کہ تُو جو نور میں ہے مثلِ ماہ و آفتاب
کردیا ہے تُو نے روز و شب کو مثلِ کہکشاں

یا بدرنا یا آیة الرحمن　　　اهدی الهداة و اشجع الشجعان

چودھویں کے چاند، اے رحمان کے زندہ نشاں
تُو شجاعوں کا شجاع ہے تُو ہے فخرِ ہادیاں

انی اری فی وجهک المتهلل　　　شانا یفوق شمائل الانسان

دیکھتا ہوں تیرے روشن رُخ پہ ایسی شان میں
جو کہ انسانی شمائل سے ہے بالا، بے گماں

و قد اقتفاک اولو النهی و بصدقهم　　　و دعوا تذکر معهد الاوطان

اہلِ دانش تجھ کو چُن کر تیرے پیرو ہوگئے
ترک کردی یاد تک وطنوں کی مثِل صادقاں

قد اثروک و فارقوا احبابهم　　　و تباعدوا من حلقة الاخوان

چُن لیا تجھ کو ہُوئے احباب سے اپنے جُدا
بھائیوں کے دائرہ سے خود بڑھائیں دوریاں

قد ودعوا اهوائهم و نفوسهم　　　و تبرء وا من کل نشب فان

کہہ دیا نفسوں کو دِل کی خواہشوں کو الوداع
مال کو دُنیائے فانی کے بھی سمجھا رائیگاں

ظھرت علیھم بینات رسوھم　　　فتمزق الاھواء کالاوثان

جب رسولِؐ پاک کے روشن نشاں ظاہر ہُوئے
تب ہوائے نفس کے بُت تھے شکستہ کرچیاں

فی وقت ترویق اللیالی نوروا　　　و اللہ نجاھم من الطوفان

نور سے تیرے ہُوئے روشن شبِ ظلمات میں
اُن کو طوفانِ ضلالت سے خُدا نے دی اماں

قد ھاضھم ظلم الاناس و ضیمھم　　　فتثبتوا بعنایة المنان

پیسنا چاہا اگرچہ اُن کو دستِ ظلم نے
وہ بہ فضلِ رب رہے ثابت قدم مثِل چٹاں

نھب اللئام نشوبھم و عقارھم　　　فتھللوا بجواھر الفرقان

گرچہ اوباشوں نے لوٹا اُن کا سب مالِ و منال
ہوگئے فرقاں کے موتی پا کے چہرے ضَوفشاں

کسحوا بیوت نفوسھم و تبادروا　　　لتمتع الایقان و الایمان

اپنے نفسوں کے گھروں کو خوب چمکا کر بڑھے
دولتِ ایمان و ایقاں کی طلب میں عاشقاں

قاموا باقدام الرسول بغزوھم　　　کالعاشق المشغوف فی المیدان

پیش قدمی پر رسول اللہ کی غزوات میں
دُشمنوں پر پل پڑے اور جم گئے مثِل چٹاں

قدم الرجال لصدقھم فی حبھم　　　تحت السیوف اریق کالقربان

اُن جواں مردوں کے اخلاص و محبت کے سبب
خون یوں اُن کے بہے گویا وہ ہوں قربانیاں

جاؤک منھوبین کالعریان فسترتھم بملاحف الایمان

تیرے پاس آئے وہ بے مایہ، لُٹے، ننگے بدن
تُو نے ڈھانکا چادرِ ایمان سے سترِ نہاں

صادفتھم قوما کروث ذلۃ فجعلتھم کسبیکۃ العقیان

تُو نے بے تو قیر پایا اُن کو گوبر کی طرح
کردیا خالص ڈلی سونے کی اور جنسِ گراں

حتی انثنی بر کمثل حدیقۃ عذب الموارد مثمر الاغصان

اک گلستاں بن گیا حتیٰ کہ صحرائے عرب
ہوگئے چشمے رواں اور لد گئیں سب ڈالیاں

عادت بلاد العرب نحو نضارۃ بعد الوجیٰ و المحل و الخسران

لوٹ آئی تازگی، رونق عرب میں چار سُو
خشک سالی اُٹھ گئی، رخصت ہوئیں ویرانیاں

کان الحجاز مغازل الغزلان فجعلتھم فانین فی الرحمن

چشمِ آہو کے غزل خواں تھے جوانانِ حجاز
فانی فی اللہ کردیا ان کو مثالِ سالکاں

شیئان کان القوم عمیا فیھما حسو العقار و کثرۃ النسوان

یا تھا شوقِ دلبراں یا جامِ مے میں غرق تھے
بس انہیں لذّات میں اندھے تھے سب پیرو جواں

اما النساء فحرمت انکاحھا زوجا لہ التحریم فی القران

حکم مستورات کو اللہ نے قرآن میں دیا
ہے حرام اُن سے نکاح کہ جنکی حُرمت ہے بیاں

و جعلت دسکرة المدام مخربا   و ازلت حانتها من البلدان

تُو نے مے خانوں کو ویران و بیاباں کردیا
اور مے نوشی کی شہروں سے ہٹا دی ہر دُکاں

کم شارب بالرشف دنا طافحا   فجعلته فی الدین کالنشوان

تھے بہت جو خُم کے خم پیتے تھے ہر پل مست تھے
دیں کا متوالا بنایا تُو نے ان کو جانِ جاں

کم محدث مستنطق العیدان   قد صار منک محدث الرحمن

بدعتی، سازوں کے رسیا تھے مگر تیرے طفیل
ہم کلام اُن سے لگا ہونے خُدائے مہرباں

کم مستهام للرشوف تعشقا   فجذبتهم جذبا الی الفرقان

کھینچ ہی لایا اُنہیں بھی جانبِ فرقان تُو
عشق میں غنچہ دہن پریوں کے جو تھے نیم جاں

احییت اموات القرون بجذوة   ماذا یماثلک بهذا الشأن

ایک جلوے سے ترے صدیوں کے مُردے جی اُٹھے
کون ہے اس شان میں تیرا نظیر اے کامراں

ترکوا الغبوق و بدلوا من ذوقه   ذوق الدعاء بلیلة الاحزان

ترک کی راتوں کی مے اور لذتِ غم کو چُنا
پھر دُعائے نیم شب تھی اور آہ و زاریاں

کانوا برنات المثانی قبلها   قد احصروا فی شحها کالعانی

قبل اس کے راگ کی رُوں رُوں کے قیدی تھے سبھی
حرص تھی نغمات کی، محبوب تھیں سارنگیاں

قد کان مرتعھم اغانی دائما　　طورا بغید تارۃ بدنان

راگ و رنگ و مے سے تھیں آباد دائم محفلیں
دل لگی ہر سیم تن سے اور پیہم مستیاں

ما کان فکر غیر فکر غوانی　　او شرب راح او خیال جفان

یا تھی فکرِ مے کشی یا تھیں مُغّنی عورتیں
تھے نشے میں دُھت، تصور میں تھا جامِ ارغواں

کانوا کمشغوف الفساد بجھلھم　　راضین بالاوساخ و الادران

ہر گھڑی لڑنے پہ اُکساتا تھا اکھڑپن اُنہیں
جسم و جاں کی میل و ناپاکی پہ ہر دم شادماں

عیبان کان شعارھم من جھلھم　　حمق الحمار و وثبۃ السرحان

تھے جہالت کے سبب دو عیب اُن میں رچ گئے
ہر قدم اڑیاں گدھے کی، گرگ کی خوں خواریاں

فطلعت یا شمس الھدی نصحا لھم　　لتضیئھم من وجھک النورانی

تُو ہُوا اُن پر طلوع ایسے میں اے شمس الھدیٰ
تا کرئے اُنکو منور تیرا نورِ ضوفشاں

ارسلت من رب کریم محسن　　فی الفتنۃ الصماء و الطغیان

تجھ کو بھیجا ربِ محسن نے کریمی کے سبب
بے پناہ فتنے تھے چاروں سمت تھیں طغیانیاں

یا للفتی ما حسنہ و جمالہ　　ریاہ یصبی القلب کالریحان

واہ! یہ کیسا جواں ہے صاحبِ حُسن و جمال
گویا ریحاں کی مہک دِل سے کرئے سرگوشیاں

وجہ المھیمن ظاھر فی وجھہ   و شئونہ لمعت بھذا الشان

اُس کے چہرے میں نظر آتا ہے نور اللہ کا
اور ہیں اوصاف میں اس نور کی ضوپاشیاں

فلذا یحب و یستحق جمالہ   شغفا بہ من زمرۃ الاخدان

ہے جمال اُس کا اِسی لائق کہ وہ محبوب ہو
اُس سے ہو دل بستگی، چھوٹے ہجومِ دوستاں

سجح کریم باذل خل التقی   خرق وفاق طوائف الفتیان

وہ ہے خُوش خلق و معزز، صاحبِ جود و عطا
اُس کریم و متقی کی دُھول ہیں سارے جواں

فاق الوری بکمالہ و جمالہ   و جلالہ و جنانہ الریان

کیا کہوں اُسکا کمال، اُس کا جمال، اُس کا جلال
سب پہ بازی لے گیا شاداب دل، سیرابِ جاں

لاشک ان محمدا خیر الوری   ریق الکرام و نخبۃ الاعیان

ہیں محمدؐ لاجرم خیرالبشر، خیر الوریٰ
آپؐ ہیں روح، شرافت، آپؐ شاہِ دو جہاں

تمت علیہ صفات کل مزیۃ   ختمت بہ نعماء کل زمان

آپؐ پر ہر دور کی نعمت مکمل ہوگئی
ہر فضیلت آپؐ پر ہے ختم شاہِ ہر زماں

و اللہ ان محمدا کردافۃ   و بہ الوصول بسدۃ السلطان

آپؐ ہی واللہ خلیفہ ہیں خُدائے پاک کے
آپؐ ہی دربارِ شاہی کا وسیلہ ہیں یہاں

هـو فـخـر كـل مـطهر و مقدس و بـه يبـاهـى العسكر الروحانى

ہر مطہر ہر مقدس کے لئے ہیں وجہِ فخر
آپکیؐ ہستی پہ نازاں لشکرِ قدّوسیاں

هــو خيـر كـل مـقـرب متـقـدم و الـفـضـل بـالخيرات لا بزمان

ہر مقرب سے ہراک سالک سے افضل شان میں
باعث وجہِ فضیلت خیر ہے نہ کہ زماں

و الـطـل قـد يبـدو امـام الوابل فـالـطـل طل ليـس كـالتهتـان

بوندا باندی کی طرح تھے آپؐ سے پہلے نبی
فرق ہے پر بوندا باندی اور جھڑی کے درمیاں

بـطـل وحيـد لاتـطـيـش سهـامـه ذو مـصـميـات موبق الشيطـان

وہ پہلواں آپؐ جس کے تیر نہ جائیں خطا
تیر ہیں مہلک بہت اور زد پہ شیطاں بے ایماں

هــو جـنـة انــى ارى اثـمـــاره و قـطـوفـه قـد ذلـلـت لجنـانى

دیکھتا ہوں آپکوؐ اک باغ، جسکے پھول و پھل
جھک گئے مجھ پر مرے دِل پر ہُوئے سایہ فگاں

الـفيتـه بـحـر الحقائق و الهدى و رأيتــه كـالـدر فـى اللمعـان

آپؐ ہیں بحرِ حقائق آپؐ ہیں بحرِ ھُدیٰ
میں نے دیکھا آپکوؐ موتی سے بڑھ کر ضوفشاں

قـد مـات عيسـى مـطـرقا و نبينا حـــى و ربــى انــه وافـــانــى

سرجھکا کر مر گئے عیسیٰؑ مگر زندہ ہیں آپؐ
مجھ سے جیتے جاگتے واللہ ملے ہیں بے گماں

واللہ انی قد رأیت جمالہ   بعیون جسمی قاعدا بمکانی

میں نے واللہ خوب دیکھا آپؐ کا حُسن و جمال
ہاں انہیں آنکھوں سے دیکھا ہے اسی گھر میں یہاں

ھا ان تظنیت ابن مریم عائشا   فعلیک اثباتا من البرھان

زندگی کا ابنِ مریم کی ہے گر تم کو خیال
فرض ہے تم پر دلائل سے کرو ثابت، بیاں

افانت لاقیت المسیح بیقظۃ   او جائک الانباء من یقظان

کیا ملے ہو جاگتے میں تم مسیحؑ پاک سے
یا کِسی نے دی خبر کہ وہ ہیں زندہ جاوداں

انظر الی القرآن کیف یبین   افانت تعرض عن ھدی الرحمن

دیکھ لو قرآن سے ثابت ہے عیسیٰ کی وفات
کیوں ہے یہ اعراض جب واضح ہے رحماں کا بیاں

فاعلم بان العیش لیس بثابت   بل مات عیسی مثل عبد فان

جان لو وہ قائم و دائم نہیں زندہ نہیں
مرچکے عیسیٰ مسیح مانند بشرِ ناتواں

و نبینا حی و انی شاھد   و قد اقتطفت قطائف اللقیان

میں گواہ ہُوں ہیں محمدؐ مصطفیٰ زندہ نبی
میں نے صحبت کے ثمر پائے ہیں بھر بھر جھولیاں

و رأیت فی ریعان عمری وجھہ   ثم النبی بیقظتی لاقانی

میں نے دیکھا نوجوانی ہی میں چہرہ آپؐ کا
جاگتے میں بھی ملے، بخشا نشاطِ دوستاں

انــی لـقـد احییــت من احیـائـہ واھــا لاعــجــاز فـمـا احیـانـی
آپؐ نے زندہ کیا مجھ کو تو میں زندہ ہُوا
واہ! یہ اعجاز ہے کیا خوب زندہ جاوداں

یـا رب صـل عـلـی نبیک دائما فــی ھــذہ الـدنیـا و بـعـث ثـان
اے خُدا اپنے نبیؐ پر بھیج تُو دائم درود
دو جہاں میں تان دے صلی علیٰ کا سائباں

یـا سیدی قد جئت بابک لاھفا و الـقـوم بــالاکـفــار قد اذانـی
سخت ایذا دی مجھے اور قوم نے کافر کہا
اے مرے آقا میں فریادی ہوں مضطرالاماں

یفری سھامک قلب کل محارب و یشـج عـزمک ھـامة الثعبـان
تیر تیرے، قلب کو ہر جنگ جُو کے چیر دیں
اژدھے کا سر کچل ڈالے، ترا عزمِ جواں

للہ درک یــــا امـــام الـعـــالـم انـت السبـوق و سیـد الشجعان
آفریں تجھ پر کہ تُو ہر دور کا ہے پیشوا
اے شجاعوں کے شجاع، سبقت تری سب پر عیاں

انــظــر الـی بـرحـمة و تـحـنـن یــا سیـدی انــا احـقـر الغلمـان
مجھ پہ بھی نظرِ کرم ہو رحم ہو احسان ہو
اے مرے آقا میں ہوں ادنیٰ تریںِ چاکراں

یـا حـب انک قـد دخلت محبة فــی مھجتی و مدارکی و جناتی
رچ گئی تیری محبت جان و دِل میں خون میں
اے مرے پیارے مری رگ رگ میں تُو ہی تُو رواں

من ذکر وجهک یا حدیقة بهجتی　　　　لم اخل فی لحظ و لا فی اٰن

اے مرے باغِ مسرت تیرے مُنہ کی یاد سے
ایک لحظہ بھی نہیں خالی مرے دل کا جہاں

جسمی یطیر الیک من شوق علا　　　　یا لیت کانت قوة الطیران

جسم پر ہے شوق غالب، حسرتِ پرواز ہے
کاش تجھ سے اُڑ کے مل سکتا میں مثِل طائراں

الحمدللہ رب العالمین

عرضِ حال

قصیدہ حضرت مسیح موعودؑ کی شان میں

جن دنوں اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و احسان اور اُس کی عطا کردہ توفیق سے حضرت مسیح موعودؑ کے معرکۃ الآراء عربی قصیدے

یا عین فیض اللہ والعرفانِ

کا منظوم اُردو ترجمہ کرنے میں مصروف تھی، اُن دنوں دِل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں بھی حضرت مسیح موعودؑ کا قصیدہ لکھ سکوں۔
نیز یہ بھی خواہش تھی کہ اُسی زمین، اُسی بحر اور اُسی قافیہ ردیف میں لکھ سکوں جس میں میں نے

یا عین فیض اللہ والعرفانِ

کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ سو اُس قادرِ مطلق کا شکر ہے جو گونگوں کو گویائی عطا کرتا ہے۔ اور مجھ جیسی ناقص اور بے مایہ کو اُس نے اس خدمت کی توفیق دی۔ الحمدللہ۔

اس قصیدے کو لکھتے ہُوئے میں نے حصولِ خیر و برکت کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کے مصرعوں سے خوشہ چینی کی ہے۔ اور ویسے بھی میرے ناقص قلم میں یہ طاقت نہ تھی کہ آپؑ کی مدح و ستائش کا حق ادا کرسکوں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مجھ ناچیز کی اس کوشش کو شرفِ قبولیت بخشے آمین۔

سب تعریفیں اُس پیارے اللہ کے لیے ہیں (جس سے حضرت مسیح موعودؑ نے ہمیں متعارف کروایا) جو دُعاؤں کو سننے والا ہے اور دِل کی مرادوں کو پورا کرنے والا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الکَرِیْمِ

وعلٰی عبدہِ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصــــر

لندن

31-3-07

مکرمہ عرشی ملک صاحبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا جس کے ساتھ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں تحریر کردہ اپنا قصیدہ بھجوایا ہے۔ ماشاءاللہ اس مضمون کو شعری زبان میں خوب نبھانے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ علم وعرفان اور روحانیت کو مزید بڑھائے اور آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کا وارث بنائے۔ آمین۔

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور

خلیفۃ المسیح الخامس

حضرت مسیحؑ موعود کی شان میں قصیدہ

اے مسیحؑ! اے عظمتِ اسلام کے زندہ نشاں
تُو محمد مصطفٰے کے دین کا ہے پاسباں

جل چکے تھے سب شجر اور دھول اُڑتی تھی یہاں
رحمتِ رب نے تجھے بھیجا بشکلِ باغباں

سارے اہلِ علم تھے حیران و بے بس نوحہ خواں
دین کی حالت یہ تھی گو یا مریضِ نیم جاں

حال تھا اسلام کا مجبور و لاچار و یتیم
تھی عیسائیت اُن دنوں گو یا تنومند پہلواں

تُو وہ پانی تھا جو آیا آسماں سے وقت پر
دین کے اُجڑے چمن کو کردیا جنت نشاں

ایک مدھم سی صدا گمنام وادی سے اُٹھی
اور پھر دُنیا میں گونجی مثِل آوازِ اذاں

وہ زمانہ تھا کہ تیرا نام بھی مستور تھا
گویا زیرِ غار ہو ایسا نہاں تھا قادیاں

تُو وہ زمزم تھا جو پھوٹا سرزمینِ ہند سے
تیرے دم سے ہوگئیں سیراب بنجر وادیاں

تُو فرشتوں کے جلو میں گرچہ تھا نازل ہُوا
پر زمانے سے تھا مخفی لشکر قدوّسیاں

دوش پر تیرے نبوت کی ردائے خاص تھی
جس نے بخشی تھی یہ چادر وہ تھا تیرا قدرداں

تُو خُدا کی گود میں تھا مثلِ طفلِ شیر خوار
تھا خُدا تیرے لئے مانند پدرِ مہرباں
تیرے منکر دیکھ نہ پائے خُدا کی رمز کو
اپنی نابینائی کے باعث تھے حیراں بدگماں
کی منادی اسرائیلی ابنِ مریم مرچکا
انتظار آمد کا اُس کی اب ہے کارِ رائیگاں
جابجا قرآن نے دی جسکے مرنے کی خبر
منتظر بیٹھے ہو کیوں آمد کے اس کی ناگہاں
میں وہ عیسیٰ ابن مریم ہوں جو آیاوقت پر
کتنی صدیوں سے تھے میرے منتظر پیرو جواں
میں وہ مہدی ہوں جسے بھیجا محمدؐ نے سلام
میں حصارِ عافیت ہوں میں پناہِ بے کساں
چاند اور سورج ہوئے تاریک میرے واسطے
تا زمانہ دیکھ لے قرآن کی سچائیاں
زلزلہ برپا کیا ہر سُو تری للکار نے
تیرا آنا اک قیامت کی طرح تھا الاماں
سب فقیہہ احبار و عالم ہوگئے مثِل یہود
پھر مسیح کی دُشمنی کے شوق میں یک قلب و جاں
کوئی کہتا تھا تجھے مکار کوئی مفتری
بولتے تھے سارے حاسد اپنی اپنی بولیاں
کافر و ملحد کہا، دجال اور کاذب کیا
کفر کے فتوؤں سے گونجا آخرش ہندوستاں

بدظنوں نے بدظنی کر کر کے لعنت مول لی
جاہلوں نے پاک سے منسوب کیں ناپاکیاں
ہر مکذّب نے مگر چکھی اہانت کی سزا
ہر مکفر بن گیا عبرت کا اک زندہ نشاں
چاہے وہ آتھم ہو چاہے ڈوئی ہو یا لیکھ رام
زد میں جو آیا، بنا وہ بھولی بسری داستاں
تو نے سمجھایا کہ بغضِ انبیاء اچھا نہیں
یہ ہیں شیروں کی کچھاریں اور ہے جاں کا زیاں
وار ہر بدخواہ کا اس پر پلٹ جاپڑا
تیرے سر سے پاؤں تک وہ یار تھا تجھ میں نہاں
تھا جلالی رنگ بھی تجھ میں جمالی رنگ بھی
اور دونوں رنگ تھے پیارے ترے شایانِ شاں
فضل اور احسان تھے اللہ کے بے حد و حساب
رحمتیں تجھ پر انڈیلیں اُس نے بھر بھر جھولیاں
مصلح موعود کی خبر دے کر خُدا نے یوں کہا
تُو نے مانگا تھا نشاں، سو یہ ہے رحمت کا نشاں
تخم سے تیرے تری ہی ذریت سے نسل سے
خوبصورت پاک لڑکا آرہا ہے مہماں
نعمتیں تجھکو ترے مولا نے بخشیں اس قدر
بن گیا پیار سے تُو اتممتُ علیکم کا نشاں
عشق کی طغیانیاں سو رنگ میں ظاہر ہوئیں
سوچتی ہوں ایک قطرے میں سمندر تھا نہاں

تو کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب تھا
نیز ابراہیم جس کی نسل مثِل کہکشاں

دار کوئی دین احمدؐ پر تُو سہہ سکتا نہ تھا
یوں تڑپ اُٹھتا تھا دِل گویا ہو رقصِ بسملاں

لٹ گیا تھا دین کے غم میں ترا چین و قرار
تیری آنکھوں سے رواں تھیں آنسوؤں کی ندّیاں

کھا رہا تھا دیں طمانچے دُشمنوں کے ہاتھ سے
تو نے رخساروں پہ جھیلے اُن طمانچوں کے نشاں

پڑ رہے تھے دینِ احمدؐ پر تبر ہر سمت سے
تُو نے سینے پر لیئے سب وار ساری برچھیاں

تُو نے عشق مصطفیٰ کے ہم کو سکھلائے چلن
تو امامِ عاشقاں تو عشق کی روحِ رواں

تُو نے سمجھا یا محمدؐ ہیں فقط زندہ نبی
بانٹتے ہیں زندگی میں اُن کا ہوں زندہ نشاں

تجھ کو جو کچھ بھی ملا سب مصطفیٰؐ کے فیض سے
دین کے موّجد محمدؐ تُو تھا دیں کا پاسباں

نور کی مشکیں فرشتوں نے انڈیلیں رات بھر
یوں پڑھا تو نے درودِ پاک مثِل عاشقاں

اور ہاں ''نجم الھدیٰ'' لکھی زباں یار میں
تذکرہ معشوق کا عاشق کا پھر زورِ بیاں

تجھ سے انوارِ محمدؐ کا جہاں میں انعکاس
تیرے قول وفعل سے یہ نور ہر لحظہ عیاں

تیری آمد کیا ہوئی اک نور کی بارش ہوئی
انتشارِ نور نے ہر سمت کیں ضو پاشیاں
جس پہ تیرے نور کا پرتو پڑا وہ جی اُٹھا
جو ترے جھنڈے تلے آیا ملی اس کو اماں
تیرے دم سے لہلہا اُٹھا چمن اسلام کا
چھا گئی تثلیث کے باغات پر فصلِ خزاں
اک تحدّی ہے تیری تحریر میں تقریر میں
ہے عجب طرزِ نگارش ہے عجب طرز بیاں
"فتحِ اسلام" ہو وہ یا کہ "توضیحِ مرام"
معرفت کی مئے سے پُر ہیں سارے کوزے مٹکیاں
پھر ازالہ یوں کیا تُو نے سبھی اوہام کا
ہوگئے احباب شرحِ صدر پا کر شادماں
خدمتِ دیں کے لئے تجھ کو چنا اللہ نے
خود ترے کاندھوں پہ رکھا اس نے یہ بارگراں
فکر تھی دِل کو ترے تو غلبۂ اسلام کی
ہیچ تھے نظروں میں تیری اور سب سود و زیاں
دبدبہ ہے رعب ہے گفتار میں للکار میں
شیرِ نر بن کر جیا تُو دشمنوں کے درمیاں
تیرا ثانی کون ہے تحریر میں تقریر میں
تُو ہی سلطان القلم ہے تو ہی سلطان البیاں
ہر دلیل ایسی جو کفر و شرک کا دِل چیر دے
ہر مکذب ہر مکفر کے لئے تیغِ رواں

مرد آہن تھا خُدا کے دُشمنوں کے سامنے
پر خُدا کے سامنے مانندِ طِفل ناتواں

تُو مقابل کفر کے اک برق تھا اک قہر تھا
اہل ایماں کے لئے لب تھے ترے شکر فشاں

تو تھا عزم و استقامت میں پہاڑوں کی طرح
وسعت و گہرائی میں مانندِ بحر بیکراں

لمس تیرا دیں کے مُردوں کے لئے اکسیر ہے
تجھ سے جو مس ہو وہ پا جاتا ہے عمرِ جاوداں

تُو تھا وہ شاہی محل جس کو بنانے کے لیے
کردیئے مسمار خود قدرت نے بوسیدہ مکاں

عشق تھا اسلام کا ہر آن دِل میں شعلہ زن
پھونکتا رہتا تھا ہر پل تجھکو یہ سوزِ نہاں

بس رضائے رب تجھے شام و سحر مطلوب تھی
ایک ہی دُھن میں رہا تُو بے نیازِ دو جہاں

تجھکو تاجوں سے غرض کوئی نہ ملکوں کی طلب
تاج تھا رضوان یار اور ملک رب کا آستاں

دِل ترا ایسا کہ رب العالمین کا عرش تھا
قلب میں اُترا خُدا اتنی بڑھیں نزدیکیاں

''فقر کی منزل کا ہے اول قدم نفیٔ وجود''
تو نے روندا نفس کو رکھا مثال پائیداں

عاجزی ایسی کہ خود کو کرمِ خاکی کہدیا
یوں گیا اوجِ ثریا پر تو اے شاہِ زماں

بانسری تو نے محبت کی بجائی اے کرشن
مست و بے خود ہوگئے اس دُھن پہ حق کے قدرداں
وادیٔ گنگا میں گونجا نعرۂ بے خود ترا
وادیٔ جمنا میں مہکیں عشق کی سرگوشیاں
منہ کے بل گرنے لگے سارے ھبل لات و منات
بت کدے میں تو نے کفر و شرک کے جب دی اذاں
بالمقابل سحر کے تھا معجزہ تیرا وجود
ہڑبڑا کر جاگ اُٹھا دفعتاً ہندوستاں
تجھ کو ہلکا جان کر جگ نے تری تحقیر کی
پر خدُا کے گھر میں تیرا نِرخ تھا بے حد گراں
''دعوت ہر ہر زہ گو کچھ خدمتِ آساں نہ تھی''
ہوگیا دُشمن جہاں، ملتی نہ تھی جائے اماں
قوم نے تیری تجھے کذّاب اور کافر کہا
تُو تھا صادق تو امیں تُو راستی کا شاہ جہاں
سب کے سب اپنے پرائے جب ترے دُشمن ہوئے
ہوگیا تو اپنے مخفی یار کے اندر نہاں
گالیاں سُن کر دُعا دی پا کے دکھ احساں کیا
عجز تیری ڈھال تھی متکبروں کے درمیاں
گریۂ پیہم نے تیرے حشر برپا کردیا
وسعتِ افلاک میں گونجی تیری آہ و فغاں
زلزلے آئے کبھی طاعون کی پھوٹی وبا
آسماں کو چیر دیتا تھا ترا دردِ نہاں

تیری کشتی میں جو آبیٹھا ملی اس کو نجات
اک علامت امن کی تھا قادیاں دارلاماں
"کیا خدا کافی نہیں ہے اپنے بندے کے لیئے"
یہ خُدا کے لفظ ہر طوفان میں تھے بادباں
تھا ترا حربہ دُعا اور کام تھا کسرِ صلیب
مردِ آہن حوصلے میں عزم میں مثلِ چٹاں
روز و شب جاری تھی دِل میں عشقِ رب کی آبشار
ہوگئیں سیراب سب بنجر دلوں کی کھیتیاں
عشق مولا کا تری رگ رگ میں تھا ایسا رچا
نوجوانی ہی میں دِل کو بھا گئیں تنہایاں
تُو نے چھوڑے خوابِ شیریں تو نے چھوڑے اکل و شرب
خود لئے خارِ مغیلاں دے کے پھولوں کی دوکاں
تھا مسیترٖ لقب تجھ کو لڑکپن سے ملا
تھی اوائل عمر سے مسجد تری جائے اماں
منقطع کرکے ترے آباء کا ذکر اللہ نے
سلسلہ تجھ سے نیا قائم کیا شاہِ جہاں
ہر طرف آواز دی تُو نے دِلِ پُر درد سے
نیک فطرت اُڑ کے آپہنچے مثالِ طائراں
بیج جو بویا تھا تو نے ایک گلشن بن گیا
آج پھولوں سے پھلوں سے لد گئیں ہیں ڈالیاں
یوں اُمڈ کر آئی دُنیا راستے گھرے ہُوئے
آئے شرق و غرب سے زندہ دلوں کے کارواں

تُو نے رنگ و نسل کی سب سرحدیں مسمار کیں
اجنبی ناآشناؤں کو بنایا ہم زباں

تُو زمانے کے لئے ٹھنڈی ہوا کی مثل تھا
جس کا جھونکا مضمحل روحوں کو کردے شادماں

تُو نے ہم سب کو پرویا عشقِ رب کی ڈور میں
تو نے بتلایا کہ کیا شئے ہے نشاطِ دوستاں

تُو نہ بے موسم کے آیا تھا نہ بے موسم گیا
کام کو پورا کیا اے کامیاب و کامراں

تُو کہ اپنے دور کا آدم تھا تیرے واسطے
ہوگئے تخلیق پھر تازہ زمین وآسماں

دھول تیرے پاؤں کی سُرمہ ہماری آنکھ کا
قافلہ سالار تھا تو، تُو تھا میرِ کارواں

تو نے ہم سب کو شکیب و صبر کا خوگر کیا
ہم کو سمجھایا دُعا دینی ہے سُن کر گالیاں

قوم پر پژمردگی چھائی تھی دِل مایوس تھے
نت نئے دیکھے نشاں تو ہوگئے جذبے جواں

جب خُدا کے ہاتھ نے جھٹکا قلم تو آگرے
جسم پر ملبوس پر کچھ سُرخ چھینٹوں کے نشاں

بارشِ الہام سے دھو کر مصفا کردیا
اٹ گئے تھے دہریت کی دُھول میں پیر و جواں

علم قرآن کاسکھایا تجھ کو خود اللہ نے
منفرد انداز تیرا منفرد شرحِ بیاں

دل کہ جو اُجڑے بیاباں کی طرح ویران تھے
لہلہا اُٹھیں وہاں سرسبز تازہ کھیتیاں
تازہ جھونکوں سے دِل و جاں کو معطر کردیا
تُو نے یوں کھولیں یقین و معرفت کی کھڑکیاں
بالمقابل کِس طرح آتے ترے عقلی علوم
پُر تھی الہامی جواہر سے ترے دِل کی دوکاں
قبرِ عیسیٰ کا پتہ تُونے دیا کشمیر میں
بولتا ہے ہر محقق آج کا تیری زباں
مرہم عیسیٰ نے دی تھی صرف عیسیٰ کو شفا
تیری مَرہم سے شفا پاتا ہے لیکن اک جہاں
"وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے"
اے سخی تو نے لٹائے ہیں وہ بھر بھر جھولیاں
ہوگئے مغلوب اور حیران سارے فلسفی
معرفت کی تجھ کو بخشیں رب نے وہ باریکیاں
طالبوں کو تُو نے سکھلائے وہ اسرارو رموز
حق کے عاشق ہوگئے وہ سب مثال سالکاں
جلوۂ حسن بتاں پھیلا تھا ہندوستان میں
تُو جمالِ رب میں لیکن گم تھا مثل عاشقاں
خلوت و جلوت میں تھی صحبت میسّر یار کی
عمر بھر جاری رہیں محبوب سے سرگوشیاں
بھید کو پیارے ترے کیسے سمجھتا یہ جہاں
تُو تھا مولا میں نہاں، مولا ترے اندر نہاں

تو عوام الناس کی عقل و سمجھ سے تھا بعید
ابتدا میں کوئی نہ تھا تیرا مونس راز داں

تُو محمدؐ مصطفیٰ کے در کا اک ادنیٰ غلام
اور میں تیری غلامی پر ہوں نازاں جانِ جاں

میں تھی ناواقف خُدا سے میں تھی ایک جاہل گنوار
تُو نے عشقِ رب کی مجھ کو چاٹ ڈالی مہرباں

روح کو میری نہ جانے تجھ سے کیسا ربط ہے
جب پڑھوں تیری کتابیں اشک ہوجائیں رواں

جوش و مستی دِل میں بھر دیتی ہیں تحریریں تری
ہو نثریا شاعری عرشیؔ ہے جام ارغواں

کاش میں پیدا ہوئی ہوتی سوا سو سال قبل
دھول کی صورت ترے قدموں میں رہتی جانِ جاں

سوچتی ہوں ایک انساں ایک دُنیا بن گیا
ایک نفسِ واحدہ سے پھر بنا کامل جہاں

آنے والا آیا اپنا کام کرکے جا چکا
منتظر عیسیٰ کی ہیں اب تک طباع ناقصاں

ہوگئیں ناکام سو سالوں پہ پھیلی سازشیں
گونجتا ہے آج دُنیا بھر میں زکر قادیاں

ذکر نے تیرے کناروں کو زمیں کے چھولیا
ہوگئے دُشمن ترے دُنیا میں بے نام و نشاں

چند مصرعوں میں سمیٹوں کِس طرح تاریخ کو
ہے سوا سو سال پر پھیلی ہُوئی یہ داستاں
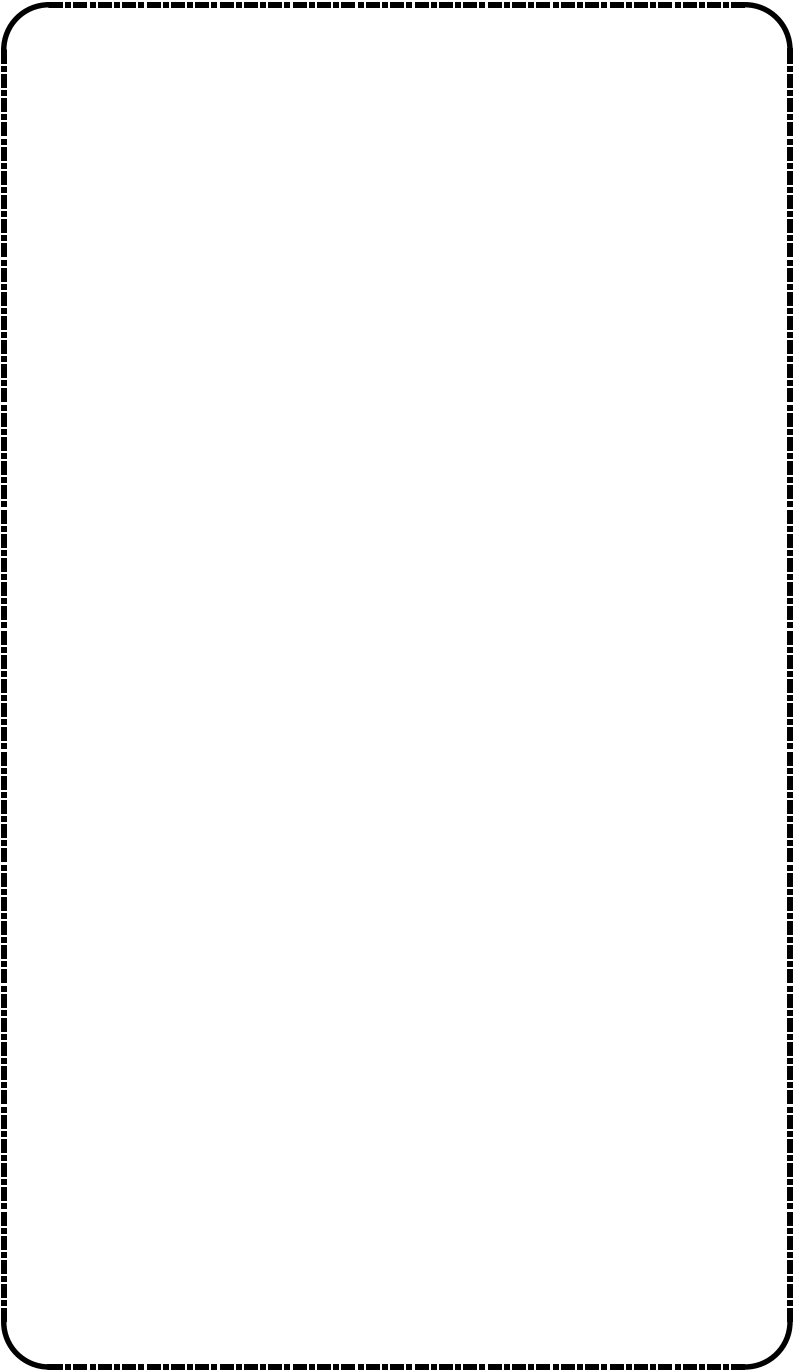
خلافت سے متعلقہ نظمیں

خلافت اک مقدس سائباں ہے

تمہیں قدرتِ ثانیہ ہو مبارک
مسیح کا تھا فرمان سو سال پہلے
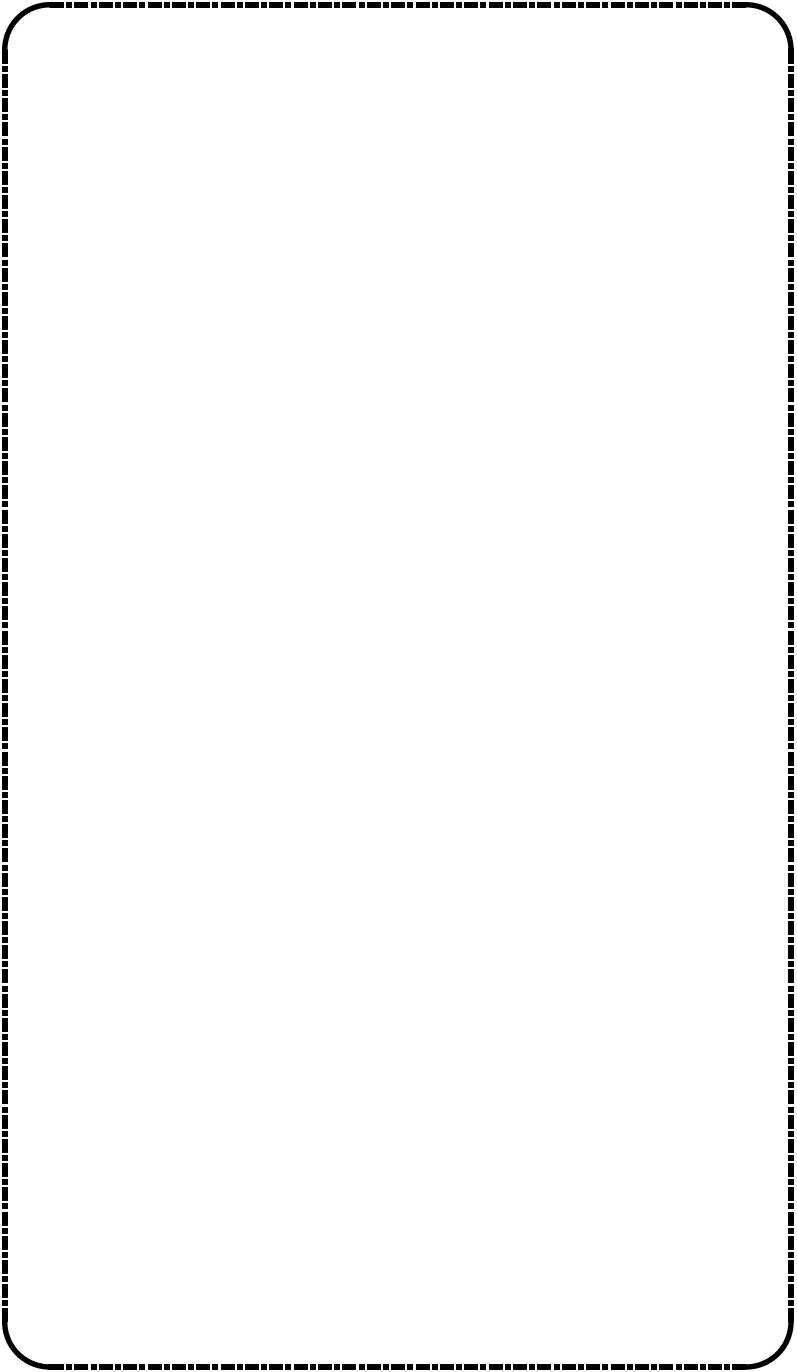
ہو مبارک سب کو صد سالہ خلافت جوبلی

حوصلے سے عزم سے ہم نے گزاری یہ صدی
تھی اگرچہ ان گنت صدیوں پہ بھاری یہ صدی

دشمنوں کی ہر جفا سہتے رہے ہم سو برس
ہم نے سائے میں دعاؤں کے گزاری یہ صدی

اپنے ہر بدخواہ کا ہر وار اُس پر جا پڑا
دُشمنوں کے واسطے مہلک کٹاری یہ صدی

پانچ گل ہائے خلافت باغِ مہدی میں کھلے
ہے گل نایاب سے مہکی کیاری یہ صدی

نور دیں، محمود، ناصر، طاہر و مسرور کی
شکل میں اللہ کا ہے فیضان جاری یہ صدی

تھا خلافت کا جو پودا اب تناور پیڑ ہے
آنسوؤں سے سینچ کر ہم نے نکھاری یہ صدی

اور پختہ ہوگیا اللہ کے وعدوں پر یقیں
شجر ایماں کے لئے تھی آبیاری یہ صدی

ہو مبارک سب کو صد سالہ خلافت جوبلی
فضل سے اللہ نے خود ہم پہ واری یہ صدی

پانچ نسلوں کی دعائیں اس کی بنیادوں میں ہیں
کیا کہوں عرشی ہمیں کتنی ہے پیاری یہ صدی

مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب تم مہدی کا زمانہ پاؤ تو اُسے میرا سلام کہنا
(الحدیث)

پیارے امام، شوقِ لقا کا سلام لو
مہدی مرے رسول خدا کا سلام لو

ہم سے گنہگاروں کو بھی اذنِ عام ہے
مہدی کی بارگاہ میں حکم سلام ہے
ہم نادموں کے اشک بہا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

ہم آ گئے ہیں دشت و جبل روندتے ہوئے
ہر مصلحت ببانگ دہل روندتے ہوئے
ہم اہل صدق، اہل رضا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

حسرت لیئے ہوئے کئی نسلیں گذر گئیں
افسوس تیری دید کی چاہت میں مرگئیں
ہم چیز کیا ہیں، ارض و سما کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

ہم خوش نصیب ہیں یہ زمانہ ہمیں ملا
قدموں کو تیرے چھو کے خزانہ ہمیں ملا

ہم عاجزوں کی مدح و ثنا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

پیاسوں نے تیری دید کے دیکھا ترا نزول
ہم دوڑ دوڑ آئے کہ کرلو ہمیں قبول
ہم کشتگانِ راہِ وفا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

چھٹنے لگی دلوں پہ جمی غفلتوں کی دھول
کھل کھل گئے وہ لوگ جو برسوں سے تھے ملول
لوحِ طلسم بیم و رجا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

آوازِ حق سے دشت و جبل گونجنے لگے
کچے مکان، شاہی محل گونجنے لگے
اس دل نشین بانگ درا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

خوش آمدید کہنے کو دنیا سمٹ گئی
گورے کی، پیلے، کالے کی تفریق مٹ گئی
دین محمدیؐ کی ردا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

تم نے خزانے آکے لٹائے کئی ہزار
اتنے نشاں دکھائے کہ جن کا نہیں شمار
قادر خدا کی جود و عطا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

اک پھونک سے مرے ہیں عدو، یار جی اٹھے
جو منتظر تھے موت کے بیمار جی اٹھے
عیسیٰ نفس تمہیں ہو شفا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

آئے تھے جو شکار کو خود ہوگئے شکار
ہاتھوں کو چوم چوم کے روتے تھے زار زار
اس دل گداز کرب و بلا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

دنیا بس اک نگاہ سے زیر و زبر ہوئی
ہر گوشۂ زمیں کو دنوں میں خبر ہوئی
انسانیت کے شوقِ بقا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

دو زرد چادروں کا رہا ساتھ عمر بھر
قطرے رواں تھے زلفوں سے دامن تھا تر بتر
اس معجزے کا، تیر دعا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

طائر ہمیں بنایا یہ احساں ہے بے بدل
ہم چھوڑ آئے دُور کہیں وادیٔ نمل
بُراق کے پروں کی ہوا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

جاء المسیح کی آئی صدا آسمان سے
چھوکر زمیں کی گونج اٹھی ہر مکان سے

اس کوہِ طور، کوہِ ندا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

تحریر آپ کی کوئی پڑھ لے جو ایک بار
ہو صاف دل تو آپ پہ ہوجائے وہ نثار
اس رنگ عشق، خوئے وفا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

جو ڈھونڈتے ہیں آپ کے کپڑوں سے برکتیں
اُن پر سوا برستی ہیں مولا کی رحمتیں
نایاب و بانصیب قبا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

صدق و صفا سے آپ کو جس وقت پاگئی
میں ننگے پاؤں دوڑ کے قدموں میں آ گئی
تاخیر معاف، خوف خطا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

پڑھتی ہوں آپ کی میں کتابیں جو ہر گھڑی
گویا حضور آپ کے رہتی ہوں میں کھڑی
عاشق ہوں میں، شہید وفا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

قربت ہم عورتیں تھیں، سو اتنی نہ پاسکیں
ہم بے دھڑک نہ آپ مجلس میں آسکیں
باپردگی کا، چشم حیا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

عرشی یہ نظم میرے مسیحا کے نام ہے
با چشم نم ہوں میں، مجھے شوقِ سلام ہے
اپنی گلی کے ایک گدا کا سلام لو
مہدی مرے، رسولِ خدا کا سلام لو

☆☆☆☆

خلافت اور رسولِ پاک ﷺ کی نصیحت

رسولِ پاک کی یہ بھی نصیحت
بھلا بیٹھی ہے دل سے آج امت
رہوگے تم یونہی حیراں پریشاں
نا جب تک تم میں ہو قائم خلافت

بکھر جاؤ جو تم فرقوں میں بٹ کر
چلے جانا کسی کھوہ میں سمٹ کر
خدا کا گر خلیفہ کوئی پاؤ
تو رہنا اس کے قدموں سے چمٹ کر

خلافت دائمی ہوگی

خلافت کی محبت میں دلوں کو یوں فنا رکھنا
کوئی مسلک اگر رکھنا تو تسلیم و رضا رکھنا
سمعنا اور اطعنا میں چھپی روحِ خلافت ہے
یہ نکتہ بھول مت جانا اسے دِل میں بسا رکھنا
بہت سے ابتلا آئیں گے ہمت ہار مت دینا
سدا با حوصلہ رہنا سدا خوئے وفا رکھنا
خدا کے فضل واحساں سے بہاریں ان گنت آئیں
بہاریں ان گنت آئیں گی دروازہ کھلا رکھنا
یہ لعل بے بہا ہے گوہر نایاب ہے پیارو
خلافت کی حفاظت اپنی جانوں سے سوا رکھنا
اگر منصب خلافت کا کبھی قربانیاں مانگے
تو جان و مال، وقت اولاد، ہر شئے کو فدا رکھنا
یہ راہِ عشق ہے اہل یقیں کی رہگذر ہے یہ
نہ دل میں وسوسہ رکھنا نہ لب پر چوں چرا رکھنا
طبیعیت میں تدبر ہو، تحمل، بردباری ہو
تم اپنے نفس کے جوشوں کو غصے کو دبا رکھنا
شہادت دو عمل سے جب بھی اقرارِ وفا باندھو
فقط لفظی شہادت پر نہ ہرگز اکتفا رکھنا

جو اقرار بیعت باندھا ہے یوں اس کو نبھانا ہے
جلا کر کشتیاں ساری خدا کا آسرا رکھنا

خدا کے در پہ رونا، گڑگڑانا عاجزی کرنا
کسی انسان کے آگے نہ دست التجا رکھنا

خدا مالک، خدا رازق وہی ہے کارساز اپنا
نہ اس کے ماسوا اپنا کوئی حاجت روا رکھنا

تم اپنی خواہش و مرضی دبالینا، مٹا دینا
رضائے قادرِ مطلق میں ہی اپنی رضا رکھنا

جو مخلوقِ خدا سے معاملہ کرنا پڑے تم کو
بھلا کر اپنے سب سود و زیاں خوفِ خدا رکھنا

تمہاری راہ میں حائل نہ ہوں کمزوریاں اپنی
سو استغفار سے دن رات ہونٹوں کو سجا رکھنا

یہ تیر بے خطا ہے نسخہ اکسیر ہے پیارو
خدا کے در پہ پھیلائے ہوئے دست دعا رکھنا

اگر تقویٰ پہ عرشی مرد و زن قائم رہے دائم
خلافت دائمی ہوگی سو خود کو پارسا رکھنا

سائباں ہے امن کا

بھیگی آنکھوں، کانپتے ہونٹوں کا ہے تجھ سے سوال
اے خدا قائم خلافت کا رہے جاہ و جلال
یہ ہمارا آشیاں ہے سائباں ہے امن کا
یہ ہے وہ دار الاماں جس کی نہیں کوئی مثال
تو پس پردہ خلافت کے ہماری ڈھال ہے
ہر قدم پر ہم نے دیکھا دشمنوں کو پائمال
جس کسی نے ہم پہ کی مشق ستم مشق جفا
مٹ گیا وہ خود، مٹانا ہے ہمیں کارِ محال
یاد رکھے گا مورخ اپنے اس کردار کو
صبر و استقلال میں ہم چھو گئے حد کمال
منفرد ہم لوگ ہیں اعزاز اپنا منفرد
منصب درد و الم پر اک صدی سے ہیں بحال
بعد دو صدیوں کے ظاہر ہوگی تقدیر ازل
اس طرف صبح عروج اور اُس طرف شامِ زوال
بدرِ کامل ہوں گے ہم پر تین سو سالوں کے بعد
گو نوید نور ہیں پر آج ہیں مثل ہلال
قافلے رکتے نہیں ہیں سن کے آواز سگاں
اک صدی سے سن رہے ہیں دشمنوں کی قیل وقال

جن کی آنکھوں اور دلوں پر جہل کی چلمن پڑی
دیکھ سکتے ہی نہیں مہدی کا وہ نورِ جمال

صبر کی سل ہم نے سینوں پر دھری سو سال سے
رولیا کرتے ہیں سجدوں میں بہت ہوکر نڈھال

احمدی ہونا ہی گویا جرم ہے ہم ہیں اچھوت
کھنچ سے جاتے ہیں پڑوسی گو ہو کافی بول چال

لفظ گھائل ہیں مرا مطلب ادا ہوتا نہیں
اشک بہتے ہیں مگر چھٹتی نہیں گردِ ملال

ہم کو مہدی نے سکھایا گڑگڑانا مانگنا
تیری چوکھٹ پر تڑپنا تیرے آگے عرضِ حال

کیوں نہ عرشی شعر لکھے گوشۂ تنہائی میں
دل میں جب مدوجزر ہو ہر گھڑی اٹھیں ابال

پھر بھی صد سالہ خلافت جوبلی نے دل مرا
اس طرح مہکادیا گویا کہ ہو یومِ وصال

سلطانِ خلافت

اک عمر سے دنیا کو تھا ارمانِ خلافت
افسوس نظر آیا نہ امکانِ خلافت

جب آیا مسیحِ سچ کے نبوت کی ردا میں
ہونے لگے پھر دہر میں سامانِ خلافت

تکتے ہیں ہمیں رشک و حسد سے وہی پیہم
جن لوگوں میں صدیوں سے ہے یہ بحرانِ خلافت

سو سال سے گو تاک میں اغیار ہیں بیٹھے
سو سال سے اللہ ہے نگہبانِ خلافت

ہم جسم ہیں اور جان خلافت میں ہے اپنی
زندہ ہمیں کردیتا ہے عنوانِ خلافت

ہر اک کو اطاعت میں ہے سبقت کی تمنا
سنتی ہے جماعت جونہی فرمانِ خلافت

تج دینا ہے دُنیا کے مزے دین کی خاطر
بیعت کا یہ مفہوم یہ عرفانِ خلافت

سو سال سے جس عہد پہ ہم لوگ ہیں قائم
ہے نقش دلوں پر وہی پیمانِ خلافت

اس سائے میں عافیت و آرام بہت ہے
تا حد زمیں پھیلا ہے دامانِ خلافت

اک تار میں بکھرے ہوئے دانوں کو پرویا
کچھ کم تو نہیں ہم پہ یہ احسانِ خلافت

میں چاہوں بھی گننا تو نہ گن پاؤں گی ہرگز
بارش کی طرح برسے ہیں فیضانِ خلافت

یہ نعمت عظمٰی ہے یہ بخشش ہے خدا کی
منہاجِ نبوت میں نہاں جانِ خلافت

اللہ نے خود تاجِ خلافت جسے بخشا
عرشیؔ وہی مہدی وہی سلطانِ خلافت

خلافت گوہرِ نایاب ہے

(ایک پرانی دعائیہ نظم کچھ نئے اضافوں کے ساتھ)

اطاعت اور وفا کی راہ پر ہم کو رواں رکھنا
خلافت کا ہمارے سر پہ قائم سائباں رکھنا

ہمیں تقویٰ کی ہو توفیق تیرا قرب حاصل ہو
ہماری سمت اے مالک نگاہِ مہرباں رکھنا

ہمارے درمیاں قائم رہے رشتہ اخوت کا
ہمیں اپنی محبت اور عطا کے درمیاں رکھنا

اطاعت، انکساری، عاجزی، پہچان ہو اپنی
ہمیں آتا ہو اپنے دل کو مثلِ پائیداں رکھنا

خلافت کی یہ برکت ہے کہ دل باہم ہوئے اپنے
ہمیشہ ہی سجی مولا یہ بزمِ دوستاں رکھنا

ہمارے دل پروئے جاچکے ہیں ایک ڈوری میں
تو اس ڈوری کی مضبوطی کو دنیا پر عیاں رکھنا

امامِ وقت اپنی ڈھال ہے ہم ڈھال کے پیچھے
امامِ وقت کو ہر معرکے میں کامراں رکھنا

خلافت گوہر نایاب ہے تیری عطا ہے یہ
علامت عدل ہے اس کی سو قائم یہ نشاں رکھنا

بیعت کرکے ہم اپنے جسم و جاں کو بیچ بیٹھے ہیں
رضا تیری کمائی ہے سو چلتی یہ دکاں رکھنا

تری دہلیز پر ہم آ تو بیٹھے ہیں مگر ہم نے
ابھی سیکھا نہیں خود کو ترے شایانِ شان رکھنا

خدایا دیں ترا ہم سے اگر قربانیاں مانگے
سروں تو ہمارے رونق نوکِ سناں رکھنا

مقابل کفر کے ہم رستم و سہراب بن جائیں
حضور اپنے ہمیں مانند طفل ناتواں رکھنا

خلافت دائمی ہوگی مسیح نے خود یہ فرمایا
خلافت کے لئے مقدور عمر جاوداں رکھنا

خوشی ہو یا غمی جو کچھ بھی ہو تیرے حوالے سے
ہمیں بھاتا نہیں تجھ بن کوئی سود و زیاں رکھنا

اگر منہ زور ہوں لہریں اگر طوفان آ جائیں
ہماری ناؤ کا پیارے سلامت بادباں رکھنا

مخالف گالیاں بھی دیں تو عرشی لب نہ کھولیں گے
ہمیں آتا ہے یوں بتیس دانوں میں زباں رکھنا

خلافت اک مقدس سائباں ہے

خلافت اب تمنائے جہاں ہے
سبھی کہتے ہیں یہ نعمت کہاں ہے
نہ اس نکتے کو سمجھا غافلوں نے
یہ منہاجِ نبوت میں نہاں ہے
اور امت کے یہی شایانِ شاں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

دلوں میں گرچہ ہے تقویٰ کی قلت
مگر خواہاں خلافت کی ہے ملت
ہے یہ انعام پر رب الوریٰ کا
جسے چاہے اُسے بخشے یہ خلعت
یہ مہدی کی صداقت کا نشاں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

کیئے پورے خدا نے عہد سارے
کرم سے بھردیئے دامن ہمارے
لڑی میں اس طرح ہم کو پرویا
کہ ہم تسبیح کے دانے ہیں سارے
امام اپنا امیر کارواں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

اندھیرے چھٹ گئے سارے کے سارے
چراغاں ہوگیا دل میں ہمارے
سکینت بخش دی ہر دل کو عرشی
نصیب اپنے خلافت نے سنوارے
ہے بدقسمت جو اس سے بدگماں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

ہمارا کام ہے ہر پل اطاعت
اطاعت ہی سے قائم ہے یہ وحدت
نہیں خطرہ کوئی اب مفسدوں سے
بفضل رب ہوئی بالغ جماعت
مقدر اس کا عمر جاوداں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

خدا کے نام کا نعرہ خلافت
خدا کے فضل کا دھارا خلافت
جو بت سینوں میں غیر اللہ کے ہیں
کرے اک وار میں پارہ خلافت
مقابل کفر کے تیغ رواں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

خدا کی رحمتوں کا ہے یہ سایہ
پلٹ دیتی ہے انسانوں کی کایا
دعا دل سے نکلتی ہے یہ ہر پل
اسے قائم سدا رکھنا خدایا
سکون دل ہے یہ آرام جاں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

خلافت ڈھال ہے سب معرکوں میں
خدا کا آستاں ہے بت کدوں میں
وسیلہ ہے یہ قربِ مصطفٰے کا
بہت مقبول ہے یہ عاشقوں میں
اسے پاتا ہے وہ جو قدرداں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

نئے جلوے دکھاتی ہے خلافت
وفا کو آزماتی ہے خلافت
دلوں کے روگ میں اکسیر ہے یہ
وساوس سب مٹاتی ہے خلافت
دلائل کی یہ اک تیغ رواں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

رچی ہے یہ ہمارے ولولوں میں
نیا اک سلسلہ ہے سلسلوں میں
کوئی اک گھونٹ بھی گر اس کا چکھ لے
اتر جاتی ہے ٹھنڈک سی دلوں میں
یہ زم زم ہے علاج تشنگاں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

خلافت نے دلوں کو یوں ملایا
ہر اک رنجش کو دوری کو مٹایا
ہوئے شرق و غرب اس طور باہم
جہاں جیسے ہو پتلی میں سمایا
یہی لطف نشاطِ دوستاں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

خدا کی قدرتِ ثانی خلافت
نئے اک دور کی بانی خلافت
یہ منہاجِ نبوت پر ہے قائم
اور اب آ کر نہیں جانی خلافت
یہ لعل بے بہا جنس گراں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

دعا گو اپنا ہر پیرو جواں ہے
دعا میں ہی ہمیں آرامِ جاں ہے
ہمارا حافظ و ناصر ہے مولا
ہمارے سر پہ دست مہرباں ہے
جماعت کا خدا خود پاسباں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

ہم اپنے آپ کو اتنا سنواریں
فرشتے پیار سے ہم کو پکاریں
خدا کا فضل ہم پر ہر گھڑی ہو
ہمارے گھر رہیں دائم بہاریں
وہ روئیں جن کے گھر فصل خزاں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

خلافت نعمت عظمیٰ ہے پیارو
یہ بات اچھی طرح دل میں اتارو
رہے ہر حال میں دیں ہی مقدم
نہ دُنیا میں بہت پاؤں پسارو
یہ دُنیا کیا ہے جائے امتحاں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

کیا مسرور نے مسرور آخر
بلائے خوف کردی دور آخر
خدا نے فضل نے اس کو چنا ہے
کہ مہدی کا ہے اس میں نور آخر
ہر اک دل مطمئن ہے شادماں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

خلافت نور مہدی کا دیا ہے
جو بڑھ کر بدرِ کامل بن گیا ہے
اسی سے روشنی پائیں گی قومیں
اُجالے کی ابھی تو ابتداء ہے
اجالا وہ کہ مثل کہکشاں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

ہیں عرشی مطمئن مسرور سے ہم
نشے میں عشق کے مخمور سے ہم
خلافت میں عجب تابندگی ہے
ہوئے روشن اسی کے نور سے ہم
قلم میں نور یہ ہر پل رواں ہے
خلافت اک مقدس سائباں ہے

قدرتِ ثانیہ

فضلِ ربّی سے ہے ہم پہ سایہ فگن قدرتِ ثانیہ قدرتِ ثانیہ
کردیا ساری دُنیا کو اپنا وطن، قدرتِ ثانیہ، قدرتِ ثانیہ

وعدۂ دائمی کا بھی دن آگیا، عہد ایفا ہُوا
ایک اک لفظ پورا ہُوا امن و عن، قدرتِ ثانیہ، قدرتِ ثانیہ

خوف سے جن دنوں دِل تھے دہلے ہوئے، ہاتھ پھیلے ہُوئے
مانگتا تھا خُدا سے ہر اک مُوئے تن، قدرتِ ثانیہ، قدرتِ ثانیہ

ہاتھ سے ہم پہ ڈالی خُدا نے ردا، گود میں لے لیا
رحمتوں کے سمندر میں ہم غوطہ زن، قدرتِ ثانیہ، قدرتِ ثانیہ

آنسوؤں سے بہت آبیاری ہُوئی، خاکساری ہُوئی
خونِ دِل دے کے مہکا ہے اپنا چمن، قدرتِ ثانیہ، قدرتِ ثانیہ

ظلم کی آندھیوں سے نہیں کچھ زیاں، سر پہ ہے سائباں
اپنے سر کی ردا، تن کا ہے پیراھن، قدرتِ ثانیہ، قدرتِ ثانیہ

ہم نے خوں سے لکھی داستانِ وفا، وقت خود ہے گواہ
ہم نے ہر گام چومے ہیں دار و رسن، قدرتِ ثانیہ، قدرتِ ثانیہ

مال و جاں سب خلافت پہ کردو فدا، ہے یہ سودا کھرا
دین کی شان ہے، دیں کا ہے بانکپن، قدرتِ ثانیہ، قدرتِ ثانیہ

جھوٹی خوشیاں مخالف کی پامال ہیں، غم کے جنجال ہیں
اپنے چاروں طرف اک حصارِ امن، قدرتِ ثانیہ، قدرتِ ثانیہ

ہم جو بے گھر ہُوئے تھے خُدا کیلئے، فضل اُس نے کئے
ساری دُنیا بنی اپنے گھر کا صحن، قدرتِ ثانیہ، قدرتِ ثانیہ

قرب پانے کا میداں تھا خالی پڑا، کام تھا پر کڑا
عشق کے تُو نے ہم کو سکھائے چلن، قدرتِ ثانیہ، قدرتِ ثانیہ

پڑھ کے کلمہ جو باندھا ہے عہد وفا، اس پہ ہم ہیں فدا
اپنے ہر قطرۂ خون میں موجزن، قدرتِ ثانیہ، قدرتِ ثانیہ

اس مکاں میں بہت چین و آرام ہے، عشق ہی کام ہے
دور کرتی ہے سارے ہموم وحُزن، قدرتِ ثانیہ، قدرتِ ثانیہ

سوسال پہلے

جو دِل تھے بیابان سو سال پہلے
ہُوئے وہ گلستان سو سال پہلے

ہوئی اذنِ ربی سے قائم خلافت
خُدا کا تھا فرمان سو سال پہلے

سمعنا اطعنا کی برکت نہ پوچھو
کیا اس نے یکجان سو سال پہلے

خلافت جو وحدت کا عنواں بنی ہے
تھی وحدت کا عنوان سو سال پہلے

تمہیں قدرت ثانیہ ہو مبارک
مسیحؑ کا تھا فرمان سو سال پہلے

یہ حیران پریشاں سے دُشمن ہمارے
یونہی تھے پریشان سوسال پہلے

جو ہم باندھتے ہیں بزرگوں نے باندھا
وہی عہد و پیمان سو سال پہلے

خلافت خُدا کا ہے فضلِ مسلسل
ہوا تھا یہ احسان سو سال پہلے

ہماری وفا پر ہے حیران دُنیا
یونہی تھی یہ حیران سوسال پہلے

ہماری طرح ہی تھے آباء ہمارے
خلافت پہ قربان سوسال پہلے

عطا فضلِ رب سے ہُوئے ہیں جوساماں
نہیں تھے یہ سامان سوسال پہلے

خلافت، جماعت، جماعت خلافت
یونہی تھے یہ یکجان سوسال پہلے

خُدا ہے نگہباں جماعت کا عرشیؔ
خُدا تھا نگہبان سو سال پہلے

انشاءاللہ

دل سے یہ گردِ الم دھوئیں گے انشاء اللہ
آج جی کھول کے ہم روئیں گے انشاء اللہ

کلمۂ شکر کو اشکوں کی زباں سے کہہ دو
عجز کے بیج نئے بوئیں گے انشاء اللہ

سائباں سر پہ خلافت کا ہے عرشی قائم
چین و آرام سے ہم سوئیں گے انشاء اللہ

☆☆☆☆

طَلَبؔ دولت کی جب ہوتی ہے پیارو
بخیلی بے سبب ہوتی ہے پیارو
یہیں پر مال و زر ہے چھوڑ جانا
کفن میں جیب کب ہوتی ہے پیارو

بیعت کے سوا

اب خوشی کوئی نہیں آپ کی قربت کے سوا
نہ کوئی غم ہی رہا ہے غم فرقت کے سوا

سر کو اُس یار کی مرضی پہ جھکائے رکھنا
عشق کچھ بھی نہیں اک شوقِ اطاعت کے سوا

اژدہا ہے یہ انا، اس کو کچلنا ہوگا
راہ یہ طے نہیں ہو پائے گی بیعت کے سوا

یہ عبادت یہ ریاضت یونہی بے کار نہ ہو
کچھ بھی اس یار کو بھاتا نہیں نیت کے سوا

اہل دنیا میں بہت عمر گزاری عرشیؔ
اور کچھ شغل نہ دیکھا وہاں غیبت کے سوا

دیکھ لو اک صدی سے ہم چپ ہیں

خوف تم کو نہیں ذرا لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
اپنی چپ بھی ہے اک صدا لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
ظلم کی جس قدر بھی طاقت تھی، سب کی سب آزما چکے ہو تم
اپنا قائم ہے حوصلہ لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
دُشمنی کو جفا کو نفرت کو، آخری حد پہ لے گئے ہو تم
حشر تم نے کیا بپا لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
ہتھکڑی، بیڑیوں سے کیا ڈرنا، سب کے سب عاشقوں کے زیور ہیں
عشق ہوتا ہے سرپھرا لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
یہ شہیدوں کے خون کی لالی، یہ تو اپنا سنگھار ہے پیارو
ہم سے مقتل بھی سج گیا لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
کلمہ گوؤں پہ ظلم یہ بھاری، وہ مروت حیا، روا داری
تم نے سب کچھ بھلا دیا لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
تیوروں سے، زباں سے، ہاتھوں سے، تم نے ہم کو بہت ستایا ہے
ہم نے برسوں سہی سزا لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
ایسے جور و جفا سے کب پیارو، قافلے عاشقوں کے رکتے ہیں
جوش کچھ اور بڑھ گیا لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
گر نہ کہتے سلام مہدی کو، تم بتاؤ ہم اور کیا کرتے
تھا یہ فرمانِ مصطفیٰ لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں

ہم پہ فضل خدا رہا ہر دم، منزلیں خود ہی آ ملیں ہم سے
گرچہ ہم تھے شکستہ پا لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
ظلم کرنے پہ تم جب آتے ہو، سب حدوں کو پھلانگ جاتے ہو
اپنا ہتھیار ہے دُعا لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
زور سارا لگالیا تم نے تا ہمارا نشان مٹ جائے
ہوگئے ہم کئی گنا لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
کس لئے ہم کو تنگ کرتے ہو، تم تو مولا سے جنگ کرتے ہو
ہم میں وہ یار ہے چھپا لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
زخم سہنے میں ایک لذت ہے اس کو تم چیرہ دست کیا جانو
ہم نے چکھا ہے یہ مزہ لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
تم ہو نشے میں چور طاقت کے جی میں جو آئے آج کر گزرو
ہم بھی ہیں دل کے بادشاہ لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
جب بھی عہد الست یاد آیا، جسم کا بال بال تھرّایا
روح پکاری بلیٰ بلیٰ لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
پُرسکوں جو دکھائی دیتا ہے اُس سمندر کی تہہ میں پیارو
ہے تلاطم چھپا ہوا لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں
ہم محمدؐ کی خاکِ پا عرشؔی، اُس کے در ہیں ہم گدا عرشؔی
ہم نے یہ بارہا کہا لوگو، دیکھ لو اک صدی سے ہم چُپ ہیں

ایک صدی سے اوپر ہے

عشق میں جب سے دل کو ہارا ایک صدی سے اوپر ہے
اپنے رب پر ناز ہمارا ایک صدی سے اوپر ہے

دکھ کا جو بھی وقت گذارا ایک صدی سے اوپر ہے
پل پل ہم نے تجھ کو پکارا ایک صدی سے اوپر ہے

نامِ خدا ہے اپنی طاقت، نامِ محمدؐ اپنی دولت
اپنے رب پر ناز ہمارا ایک صدی سے اوپر ہے

طنز و تمسخر، جور و ستم اب اپنی ذات کا حصہ ہیں
ہم نے سب کچھ کیا گوارا، ایک صدی سے اوپر ہے

گھر جلوائے، ماریں کھائیں، بے وطنی کے صدمے جھیلے
عشق کا یہ بھرپور نظارہ ایک صدی سے اوپر ہے

ظلم و جفا میں تازہ دم تم، صدق و صفا میں تازہ ہم
جھگڑا یہ اپنا تمہارا ایک صدی سے اوپر ہے

لاکھوں سے اب بڑھ کر عرشی شامل ہوئے کروڑوں میں
فتح مبیں کا یہ لشکارا ایک صدی سے اوپر ہے

اکیسویں صدی

یہ ایک پرانی نظم ہے، خلافت جوبلی کے حوالہ سے اسے شامل کر رہی ہوں

اک موت، اک کٹاری ہے اکیسویں صدی
اور دشمنوں پہ بھاری ہے اکیسویں صدی
پرچم بلند ہوگا محمدؐ کے نام کا
الحاد کی خواری ہے اکیسویں صدی
پچھلی صدی کو ہم نے پلایا تھا اپنا خوں
اس طرح سے نکھاری ہے اکیسویں صدی
جھیلا ہے ہم نے جبر بہت بیسویں صدی
قدرت نے ہم پہ واری ہے اکیسویں صدی
ہتھیار اپنا اشک تھے اور ڈھال تھی دعا
یہ ہی طریق جاری ہے اکیسویں صدی
پہلے ہی سال آٹھ کروڑ اور دس ہزار
برّاق کی سواری ہے اکیسویں صدی
ہم لوگ کل رہیں گے نہ حد و شمار میں
اپنی تو بے شماری ہے اکیسویں صدی
پورے خدا کے سارے نوشتے کرے گی یہ
حیرت کی اک پٹاری ہے اکیسویں صدی
گھونگھٹ مسیحؑ کے نام پہ اپنا اٹھائے گی
ان چھوئی اور کنواری ہے اکیسویں صدی

عیسیٰ نفس کی پھونک سے دھڑکے گا اس کا دل
گو زندگی سے عاری ہے اکیسویں صدی

کھولے گی سارے راز وفات مسیح کے
تثلیثیوں پہ بھاری ہے اکیسویں صدی

آسائشوں سے جسم ہے اس کا ڈھکا ہوا
پر روح کی بھکاری ہے اکیسویں صدی

رحمان کی یہ جنگ ہے شیطاں سے آخری
باطل کی مارا ماری ہے اکیسویں صدی

ہرگز نکل نہ پائیں گے نرغے سے بدچلن
وہ صید ہیں شکاری ہے اکیسویں صدی

نمرودیوں پہ غیض، براہیم کے لئے
پھولوں کی اک کیاری ہے اکیسویں صدی

زندہ دلوں میں پھوٹے گا عشق خدا کا بیج
الفت کی آبیاری ہے اکیسویں صدی

اُترا نہیں ہے جن کا مسیحؑ آسمان سے
اُن کو تو زخم کاری ہے اکیسویں صدی

جو جانثار راہِ خدا میں اسیر ہیں
اُن سب کی رُستگاری ہے اکیسویں صدی

رب نے مرے بنا کے اسے نعمتوں کا خوان
چاؤ سے پھر اتاری ہے اکیسویں صدی

اور منکروں کے منہ پہ طمانچے کی شکل میں
ذلت بنا کے ماری ہے اکیسویں صدی

یاں چین ہے، سکون ہے، ٹھنڈک قرار ہے
واں طیش و بے قراری ہے اکیسویں صدی

فتح مبیں کے غیب سے سامان ہوگئے
غیروں کی شرمساری ہے اکیسویں صدی

پہرہ خدا گواہ فرشتوں کا ہم پہ ہے
مولا کی فوجداری ہے اکیسویں صدی

ترکش میں جتنے تیر تھے تم نے چلا لیئے
ہٹ جاؤ اب ہماری ہے اکیسویں صدی

چھینٹوں سے اپنے خون کے مقتل سجائے ہیں
دے کر لہو نکھاری ہے اکیسویں صدی

آنکھوں میں اپنی سیل رواں آنسوؤں کا ہے
خود ڈوب کر ابھاری ہے اکیسویں صدی

سجدہ گہیں بھگوئی تھیں ہم سب نے دوستو
ہم کو جبھی تو پیاری ہے اکیسویں صدی

عمر جہاں تھی روزِ ازل میں لکھی گئی
اور آخری ہزاری ہے اکیسویں صدی

تم اپنا کھیل کھیل چکے بیسویں صدی
عرشی ہماری باری ہے اکیسویں صدی

قرآن کریم کا جادو

یہ اک جادو بھری تحریر ہے
کوئی اگر پڑھ لے
تو اس دُنیا کی ہر لذّت سے وہ بے زار ہو جائے
نظر میں اُس کی یہ جاہ و حشم بے کار ہو جائے
حجاب اُٹھ جائیں اُس کی آنکھ سے سب دِلفریبی کے
ذرا سی دیر میں وہ صاحبِ اسرار ہو جائے
تمنا قربِ مولا کی بنا دے اُس کو دیوانہ
یہ مئے، عاقل اگر چکھ لے تو ہو جاتا ہے مستانہ
مٹا کر تشنگی، یہ روح کو سیراب کرتی ہے
اور، اہلِ دِل کی آنکھوں کو بہت پُر آب کرتی ہے

وہ کیا عاشق ہے جو محبوب کے خط کو نہیں پڑھتا
جو راہِ عشق میں دو گام بھی آگے نہیں بڑھتا
جو تقلیدی سے مذہب پر کئی برسوں سے راضی ہے
حقائق کے، معارف کے جو زینے پر نہیں چڑھتا
بہت سے ہیں تلاوت جن کی بس اک رسم و عادت ہے
نہ تقویٰ کی طلب ہے نہ گناہوں پر ندامت ہے
عمل ہے نہ تدبر ہے، خشیت ہے، نہ عبرت ہے
حدیثِ پاک ہے قرآن کی اُس قاری پہ لعنت ہے

یہ خط محبوب کا دل میں امنگوں کو جگاتا ہے
عجب یہ نُور ہے عرشی، حجابوں سے چھُڑاتا ہے
خُدا کے حُسنِ بے پایاں سے یہ پردہ اُٹھاتا ہے
حقائق کی، عجائب کی نئی دنیا دکھاتا ہے
پکڑ کر ہاتھ لے چلتا ہے مولا سے ملاتا ہے

یہ اک جادو بھری تحریر ہے
کوئی اگر پڑھ لے
تو اس دُنیا کی ہر لذت سے وہ بے زار ہو جائے۔
نظر میں اُسکی یہ جاہ و حشم بے کار ہو جائے
منافعے دُنیوی تجنے کو وہ تیاّر ہو جائے
حجاب اُٹھ جائیں اُس کی آنکھ سے سب دلفریبی کے
ذرا سی دیر میں وہ صاحبِ اسرار ہو جائے۔

احمدی ماؤں کے نام

جن پیروں کے نیچے جنت سر پر ایک ردا
جسم ڈھکا ہے، آنکھیں نیچی، دِل میں سوز بھرا
جن کی خُو تسلیم و رضا ہے، جن کا کام وفا!
جن کے وقت کا اِک اِک لمحہ دیں کے لئے فدا

جن کے سُندر مکھڑوں پر تقدیس کا گہنا ہے
اُن ماؤں سے آج مجھے کچھ عرضی کہنا ہے

قوموں کی تقدیر بنانا ماؤں کا ہے کام
ہر پل چوکس رہنا، تم پر آئے نہ الزام
آج مچایا عورت کی آزادی نے کہرام
بِنتِ حوّا، آج بنی ایک طعنہ، اک دُشنام

اپنی ناداں بہنوں پر حُرمت کا پردہ تانو
عزت کا احساس دلاؤ، حکم خُدا کا مانو

مغرب کی تہذیب ملمّع، قدریں ایک سُراب
تشنہ ہی مرجاتا ہے جو سمجھے اس کو آب
وقتی لذت اور تموّج، پیچھے ایک عذاب
وقت نکالو، کھول کے دیکھو رب کی پاک کتاب

نسلِ نو کو سمجھاؤ قرآن پہ غور کریں
مت بے سوچے سمجھے ''وویمن لِب'' کا شور کریں

ہر بدصُورت شئے کو تم نے حُسن عطا کرنا ہے
خود غرضی کے بھڑکے شعلوں کو ٹھنڈا کرنا ہے
ٹوٹے بکھرے رشتوں کو پھر سے یکجا کرنا ہے
تم خالق کا روپ ہو اپنا فرض ادا کرنا ہے

خود پر نظریں ڈالو اپنے من آنگن میں جھانکو
صبر کا کڑوا چُورن پہلے ہمت کر کے پھانکو

راہِ خُدا میں زخم لگیں تو ان پر ناز کرو
دِل کے سب دروازے رب کی خاطر باز کرو
عشق میں پنچھی بن جاؤ اونچی پرواز کرو
دُکھ سُکھ کے لمحوں میں اللہ کو ہمراز کرو

جن ماؤں کے دِل میں سچے رب کا عشق نہاں
اُن کے لب پر ذکر خُدا کا، اُنکے اشک رواں

تم نے امن کے خوابوں کو تعبیر عطا کرنی ہے
جنت جیسی دُنیا کی تصویر عطا کرنی ہے
حرفِ دُعا کو، گریۂ کو تاثیر عطا کرنی ہے
صنفِ نازک کو اس کی توقیر عطا کرنی ہے

روپ تمہارا دیکھ کے سب کو اللہ کی یاد آئے
عظمت مومن عورت کی جگ کو ششدر کر جائے

درد بٹاؤ لوگوں کے سچی غم خوار بنو
سایہ بانٹو دُنیا میں مثِل اشجار بنو
ٹوٹی پھوٹی ناؤ کی تم کھیون ہار بنو
ہر جانب بارود کی بُو ہے تم مہکار بنو

رنجش، نفرت، بے مہری کو دُور بھگانا ہوگا
پیار کی بھینی خوشبو سے جگ کو مہکانا ہوگا

گھر کو ایسا جذب و کشش دو گھر جنت بن جائے
گھر محور ہو، گھر منزل ہو، نہ کہ ایک سرائے
شوہر ہو یا بیٹا ہو، وہ سیدھا گھر کو آئے
گھر کی جنت میں آکر وہ سچی راحت پائے

دُنیا کے مت پیچھے دوڑو، اس میں صرف زیاں
پھول کہاں سے مہکیں گے جب گھر کے بیچ خزاں

چلتے چلتے یہ دُنیا بارود پہ آ بیٹھی ہے
رونق میلے موجیں ہیں پر چین گنوا بیٹھی ہے
شوق میں لذت یابی کے ہر قدر بھُلا بیٹھی ہے
خلق کو راضی کرتی ہے خالق سے خفا بیٹھی ہے

مغرب کی تہذیب ہے کیا اک زہر بھرا شربت ہے
جام بلوری دیکھ کے تم مت سمجھو یہ امرت ہے

دُنیا میں مت کھُب جانا تم کام تمہارا اعلیٰ
تم چانن ہو شرق و غرب کا، تم ہو ایک اُجالا
تم کو دینِ حق نے اپنی گود میں برسوں پالا
ماہِ کامل ہو تم چاروں سمت حیا کا ہالہ

اپنے پیارے بچوں کو ورثے میں تقویٰ دینا
جان و مال کے بدلے میں اللہ کی قربت لینا

ماں کے دودھ میں مخفی ہیں آیندہ کی تقدیریں
کام نہیں دے پائیں گی یاں دُنیاوی تدبیریں

ماں گر جوش دلائے بیٹے کوہِ گراں کو چیریں
ماں کے آنسو بن جاتے ہیں پاؤں کی زنجیریں
نُور خُدا کے عشق کا اپنے سینوں میں بھرلینا
دودھ کی صورت اپنے بچوں کو یہ امرت دینا
آج تمہیں اک ماڈل کی صورت میں سنورنا ہوگا
اپنے قول وفعل میں رنگ اسلام کا بھرنا ہوگا
صبر و رضا کی پگڈنڈی پر پاؤں دھرنا ہوگا
دُنیا کو جیون دینے کی خاطر مرنا ہوگا
جان لڑا دو بچوں کے سینوں میں غیرت بھر دو
ہمت اور شجاعت بھر دو عشقِ خلافت بھر دو
کِس تیزی سے بدل رہے ہیں دُنیا کے اطوار
نسلِ نو ہر مذہب سے ہر بندھن سے بیزار
ایسے میں ہے ماؤں کی امداد ہمیں درکار
لجنہ کو پیغام یہی ہے ہوجاؤ تیار
دُنیا کی اُستاد تمہیں ہو یہ احساس کرو
اپنے عہد بیعت کا اے ماؤں پاس کرو
آنے والے کل کی عرشیؔ ہم مائیں معمار
کل کا مورّخ پرکھے گا ہم ماؤں کا کردار
ماں کا عزم بنا سکتا ہے صحرا کو گلزار
ماؤں میں گر تقویٰ ہو تو قوم کا بیڑہ پار
قوم کو جنت دو یا دوزخ اب ہے کام تمہارا
چودہ صدیوں بعد ملا ہے موقع یہ دوبارہ

سجدہ کریں

8 اکتوبر 2005ء کو صبح 8 بج کر 52 منٹ پر آنے والے زلزلے کی تباہ کاریوں سے متاثر ہو کر لکھے گئے اشعار:

حکم یہ بندوں کو ہے سُن کر اذاں سجدہ کریں
قبل اس کے یہ چھتیں اور یہ مکاں سجدہ کریں

ہم کو تو بتلائے ہیں اللہ نے اوقاتِ سجود
اور گھروں کو حکم ہے وہ ناگہاں سجدہ کریں

ہے ابھی ہموار سجدوں کیلئے ساری زمیں
پھر پکارو گے کہ ملبے پر کہاں سجدہ کریں

قبل اس کے پاؤں کے نیچے سے ہٹ جائے زمیں
قبل اس کے سر پہ ٹوٹے آسماں سجدہ کریں

سو برس پہلے مسیحؑ نے زلزلوں کی دی خبر
دیکھ کر ہم کیوں نہ یہ روشن نشاں سجدہ کریں

ڈھال پر لاحول و استغفار کی روکیں عذاب
اعترافِ جُرم ہو وردِ زباں سجدہ کریں

زلزلہ ہے یا؟ خُدا کی ڈانٹ ہے جھنجوڑ ہے
ہائے وہ ناداں جو وقتِ امتحاں سجدہ کریں

وقت کا سجدہ عبادت، ٹکریں بے وقت کی
جو گنوا دیں وقت کو وہ رائیگاں سجدہ کریں

بندگی سے تو گریزاں کس کی ہے اے کم نظر
سامنے جس کے زمیں و آسماں سجدہ کریں
ہر گھڑی لب پر ہو استغفار، دِل میں خوف ہو
سسکیوں اور آنسوؤں کے درمیاں سجدہ کریں
قبل اس کے بوجھ بن کر سر پہ لد جائے زمیں
آؤ عرشیؔ مل کر زیرِ آسماں سجدہ کریں

☆☆☆☆

بندگی کرنے سے جب اہلِ زمیں غافل ہُوئے
سرکش و بے باک سارے عاقل وہ جاہل ہُوئے
تب پہاڑوں، وادیوں کو حُکمِ سجدہ مل گیا
تھرتھرا اُٹھی زمیں، سجدے میں سب شامل ہُوئے

وقتِ امتحاں

زلزلہ کیا ہے کہ وقتِ امتحاں ہے ان دنوں
موت ارزاں، زندگی کتنی گراں ہے ان دنوں
وقت کا دستِ رواں تاریخ لکھتا ہے نئی
ہر نئے دن میں نہاں اک داستاں ہے ان دنوں
بات کرنے کی تمنا ہے نہ طاقت ہے نہ ذوق
دِل ہمارا مائلِ آہ و فغاں ہے ان دنوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

وعلیٰ عبدہِ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصر

واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً
انا فتحنا لک فتحاً مبیناً
ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ

امام جماعت احمدیہ

لندن
۲۱/جنوری ۲۰۰۶ء

مکرمہ عرشی ملک صاحبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے دو خط موصول ہوئے جنمیں آپ نے اپنا تازہ کلام بھیجا ہے۔ جزاک اللہ خیراً۔

نظم "پردہ" پسند آئی۔ ماشاء اللہ خوب مضمون کا حق ادا کیا ہے۔ جزاکم اللہ۔ اللّٰھم زد وبارک!
بہرحال اس کو پڑھ کر بے اختیار دل سے دعا اٹھی کہ اللہ کرے ہر احمدی بچی اور عورت کو اس کی پہچان
ہو جائے اور وہ اپنے مقام و مرتبہ کی عظمت اور حفاظت کے لیے دجالیت کی تازہ لہر کے خلاف اٹھ کھڑی ہو۔ آمین
قادیان کے حوالہ سے لکھی گئی رباعی "سلام" میں بھی اخلاص و وفا چھلکتا نظر آیا ہے۔

خصوصاً جلسہ سالانہ کے عظیم نظاروں اور قادیان کی روحانیت سے پُر ماحول سے متاثر ہو کر "فریاد درد" جو
آپ نے لکھی ہے اسے پڑھ کر تو دل بے چین ہو گیا۔ کمال کر دیا ہے! اس نظم میں تو ماشاء اللہ آپ نے بڑی خوبصورتی
سے اپنے جیسے بےکسوں کی خوب ترجمانی کی ہے اور تخیل کی بلند پروازی بھی خوب ہے اور منظر کشی کا تو کیا کہنا بہرحال
آپ کی نظم کے حوالے سے خطبہ میں اشارہ کیا تھا۔
میرے نزدیک آپ پیچھے رہ کر بھی کئی لحاظ سے خوش قسمت ٹھہری۔
حقیقت یہ ہے کہ ایک قسمت والا ان حسرت زدوں کو تلاش کرتا رہا اور ان
کے لیے اپنے رب کے حضور پُرنم بھی۔ انشاء اللہ یہ بیڑیاں بھی ایک دن ٹوٹیں گی لیکن جیسا میں نے کہا تھا کہ
ان آنسوؤں کو آنکھوں میں گھٹنے نہ دیں اور اتنا بہائیں کہ جن سے عرش کے پائے بھی ہل جائیں اور آپکی
روحانی آنکھیں خود دیکھیں اور کان سنیں کہ "اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْب"!

آپکی شاعری کے انداز سے بہت متاثر ہوں کیونکہ آپکے کلام میں سادگی، پیغام اور سچائی ہے۔
اللہ آپ کے قلم، فہم اور ادراک کو اور جلا بخشے اور ہمیشہ اس کی رضا کے لیے لکھتی رہیں۔ اللّٰھم آمین

فی امان اللہ والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خلیفۃ المسیح الخامس

مرا پردہ

خُدا سے عہد و پیماں کی علامت ہے مرا پردہ
سمعنا اور اطعنا کی شہادت ہے میرا پردہ
مجھے قرآن کی آواز پر لبیک کہنا ہے
سو اک شرطِ وفا ہے استقامت ہے مرا پردہ
مجھے اسلام نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
اسی کی وجہ برکت سے سلامت ہے مرا پردہ
محمدؐ کی غلامی پر فدا ہر ایک آزادی
مرے سرکار کی جانب سے خلعت ہے مرا پردہ
میں ہوں اک احمدی عورت حیا پہچان ہے میری
زمانے بھر میں میری وجہِ شہرت ہے مرا پردہ
اُسے کیا علم عزم و استقامت کس کو کہتے ہیں
کہا جس کم فہم نے رسم و عادت ہے مرا پردہ
اُڑا دی ہیں حیا کی دھجیاں تہذیبِ مغرب نے
سو اس دورِ ستمگر میں کرامت ہے مرا پردہ
زباں سے کیا کہوں میں آج کی آزاد عورت کو
سو اک خاموش اظہارِ ملامت ہے مرا پردہ
بہت جی کو جلاتی ہے مرے تذلیل عورت کی
سو ایسے میں مرا اندازِ شوکت ہے مرا پردہ
ہوس کی آرزو ہے بنتِ حوّا اور عریاں ہو
سو اس کے رُخ پہ اک داغِ ہزیمت ہے مرا پردہ

یہ شیطانی تمدن ایک تارِ عنکبوتی ہے
ادھر اللہ کی کامل اطاعت ہے مرا پردہ
تمنا خوب سے جب خوب تر کی بڑھتی جاتی ہے
تو ایسے میں اک اندازِ قناعت ہے مرا پردہ
سبھی ابلاغ کے ذریعے بنے شیطان کے آلے
سبھی کا فیصلہ یہ ہے جہالت ہے مرا پردہ
ہر ایک چینل پر رقص ابلیس کا جاری ہے روز و شب
سو، BBC کی نظروں میں قدامت ہے مرا پردہ
فضا میں ہر طرف بکھرا ہے پولن بے حیائی کا
سو، میری چار دیواری ہے، راحت ہے مرا پردہ
کوئی توہین اور تذلیل میری کر نہیں سکتا
مری عزت، مری حشمت، وجاہت ہے مرا پردہ
ہوس کی دھول میں لتھڑے ہوئے بے باک موسم ہیں
اسی ماحول سے اظہار نفرت ہے مرا پردہ
مسلماں کا رویہ آج پسپائی کا مظہر ہے
سو، ایسے میں اک اندازِ شجاعت ہے مرا پردہ
کیا پیرس کے اسکولوں میں جس نے زلزلہ برپا
وہی گز بھر کا کپڑا میری عظمت ہے مرا پردہ
خُدا کے باب میں اک سرد مہری عام ہے عرشیؔ
مرے ایمان کی حدت، حرارت ہے مرا پردہ

فریادِ درد

ایم۔ٹی۔اے پر قادیان کا جلسہ 2005ء دیکھ کر ایک حسرت زدہ دِل کا حضرت مسیح موعودؑ کے حضور اظہارِ حسرت۔۔۔

آپ اِن گلیوں میں گھومے، اِن مکانوں میں رہے
جسم دُنیا میں رہا خود آسمانوں میں رہے
قسمتوں والوں نے چومے آپ کے نقشِ قدم
اور ہم قسمت کے مارے ناتوانوں میں رہے
ہم شکستہ نیم جانوں کا بھی لے لیجیے سلام
مرغِ بسمل کی طرح جو آشیانوں میں رہے
میرے جیسے اور بھی حسرت زدہ ہوں گے کئی
جو بشکلِ گرد سارے کاروانوں میں رہے
ہم چھکا چھک گاڑیوں کی خواب میں سُنتے رہے
ہم گذرتی بوگیوں کے پائے دانوں میں رہے
ہم ہیں وہ آنسو جو آنکھوں ہی میں گھُٹ کر رہ گئے
ہم ہیں وہ قصے جو بطنِ قصہ خوانوں میں رہے
ہم ہیں وہ پیکاں، ہدف کو جو نہ اپنے چھُو سکے
ہم ہیں ایسے تیر جو چسپاں کمانوں میں رہے
ہم ہیں وہ الفاظ جو لب سے ادا نہ ہو سکے
ہم ہیں وہ مفہوم جو گم داستانوں میں رہے

ہم مگر ''ڈش'' کے سہارے شاملِ جلسہ ہُوئے
آپکےؑ دستِ دُعا کے سائبانوں میں رہے
اپنی سوغاتِ سفر کچھ حسرتیں کچھ اشک ہیں
ہم خوشی اور غم کے پھیلے بادبانوں میں رہے
لے گیا ہم کو تصور آپکےؑ دربار میں
آپکےؑ ہمراہ ہم گذرے زمانوں میں رہے
صبح کی سیروں میں بھی ہم آپکےؑ ہمراہ تھے
شب کو دسترخوان پر ہم مہمانوں میں رہے
مسجدِ اقصیٰ، بہشتی مقبرہ، بیت الدعا
ہم تھے پردیسی مگر سارے ٹھکانوں میں رہے
ہم ہیں وہ آمد سے جن کی راستے گھرے ہُوئے
ہم نشاں ہیں آپ کے گو بے نشانوں میں رہے
ہم ہوا کے دوش پر ہر رُت میں شامل ہوگئے
ہم تخیّل کی بہت اونچی اُڑانوں میں رہے
اے تخیّل تو نے لاحاصل کو حاصل کردیا
ہم مکاں میں بیٹھ کر بھی لامکانوں میں رہے
ہم نے بھی بیت الدعا میں جا کے مانگی ہے دُعا
ہاتھ پھیلائے ہُوئے آزردہ جانوں میں رہے
ہم سے شہرِ یار کی گلیوں نے کیں سرگوشیاں
چشمِ حیرت بن گئے ہم راز دانوں میں رہے
آپکیؑ قربت کی گرمی ہم کو گرماتی رہی
رات تھی جاڑے کی پر ہم شامیانوں میں رہے
آپ کے مرقد پہ جا کر آبدیدہ بھی ہوئے
ہم بہشتی مقبرے کے پاسبانوں میں رہے

مہرباں سا اک ہیولہ ہر گلی کوچے میں تھا
آپؒ سایہ بن کے شامل میزبانوں میں رہے
آپؒ کے ہمراہ دیکھا عاشقوں کا اک ہجوم
کِس قدر خوش بخت تھے جو جانفشانوں میں رہے
شوقِ وصلِ یار بھر دیتا ہے رس الفاظ میں
ورنہ ہم ایسے کہاں شیریں بیانوں میں رہے
نور کی مشکیں فرشتوں نے اُنڈیلیں آپؒ پر
آپ عشقِ مصطفےٰؐ کے کشتگانوں میں رہے
آپ سلطان القلم تھے آپ سلطان البیاں
آپ توحیدِ خُدا کے ترجمانوں میں رہے
جس گھڑی جھٹکا خُدا کے ہاتھ نے اپنا قلم
سُرخ چھینٹے آگرے جو داستانوں میں رہے
روح کے اندر جو واویلے مچے عرشیؔ نہ پوچھ
گو لبوں کو بھینچ کر ہم بے زبانوں میں رہے
میرے مولا میرے پاؤں میں بندھی بیڑی بھی کھول
اور کب تک جان میری امتحانوں میں رہے

☆☆☆☆

سلام

شہر جاناں، تیری گلیوں کو مکانوں کو سلام
تیرے مہمانوں کو تیرے میزبانوں کو سلام
محترم ہے وہ زمیں جس نے ترے چومے قدم
تجھ پہ جو جھُکتے رہے اُن آسمانوں کو سلام

یہ رستہ منصوری ہے

کوشش میں کچھ نقص تھا اپنی یا پھر طلب ادھوری ہے
رب کی کھوج سے پہلے پیارے اپنی کھوج ضروری ہے

قرب و بُعد ہے ایک پہیلی کون اسے سلجھائے گا
تُوشہِ رگ کے پاس ہے لیکن پھر بھی کتنی دُوری ہے

رب کے بھید وہ خود ہی جانے، ہم نے اتنا دیکھا ہے
اک کے ہاتھ میں سوکھا ٹکڑا، اک کے تھال میں چُوری ہے

تم جو کہو تو میں نہ بولوں، نہ روؤں، نہ گھر سے نکلوں
لکھنے سے مت روکو مجھکو یہ میری مجبوری ہے

آنکھیں کھول کے چلنا عرشی راہِ انا الحق دُور نہیں
پھر نہ کہنا یاد نہیں تھا یہ رستہ منصوری ہے

آج کی شام

آج کی شام بڑی بوجھل ہے
اک بے نام سی پھانس ہے دِل میں
حالانکہ میں خود سب پھانسیں
اک اک کر کے چُن لیتی ہُوں
دِل کو بہلانے کی خاطر
کوئی فسانہ بُن لیتی ہُوں
آج نہیں پر دِل پر قابو
نازک شیشہ ٹوٹ گیا ہے
صبر کا دامن چھُوٹ گیا ہے

☆☆☆☆

اُکتاہٹ

سب پیڑوں کو گر جانے دو
سب پھولوں کو جھڑ جانے دو
سب اشکوں کو بہہ جانے دو
دِل کی دِل میں رہ جانے دو
جو ہوتا ہے ہو جانے دو
مجھ کو تھک کر سو جانے دو

بھرے شہر میں بن باس ملا ہے

تنہائی کا مارا دِل حسّاس ملا ہے
عرشی کو بھرے شہر میں بن باس ملا ہے
کہنے کو تُو دریا ہے مگر کڑوا کسیلا
کیا در سے ترے اور بجز پیاس ملا ہے
اس دُوری و قربت کا بھی کچھ بھید نہ پایا
ہم دُور سمجھتے تھے جِسے پاس ملا ہے
کچھ لوگ جنھیں دولت و ثروت ہے میّسر
اخلاق میں ان کو مگر افلاس ملا ہے
تُو خود کو بدل لے یا بدل ڈال یہ دُنیا
ماحول زمانے کا کِسے راس ملا ہے
کِس طرح ادا شکر ہو اس سنگ زنی کا
گوہر کہیں ان میں کہیں الماس ملا ہے
دن کو ہے اُسے چین نہ آرام ہے سب کو
جس شخص کو بھی درد کا احساس ملا ہے
کچھ شجرِ ثمر دار پہ بھی شکوہ کناں ہیں
کچھ شکر سے پُر ہیں کہ چلو گھاس ملا ہے
اللہ کے مامور کا دُشمن ہُوا جو بھی
اُس شخص کا سَتیاہی ہمیں ناس ملا ہے

میں بھی ہوں غلاموں میں

لُطف ہے سلاموں میں، نہ مزہ پیاموں میں
آج وہ بھی چُپ چُپ ہیں جو تھے خوش کلاموں میں
ہم میں خود پسندی تھی اور انا پرستی بھی
دُھل گئیں یہ سب میلیں درد کے حماموں میں
پیار بانٹے ہیں ہم، نفرتوں کے بدلے میں
اپنی تیغ الفت ہے، پھول ہیں نیاموں میں
آپؐ کی حدیثوں نے دِل کو کردیا بے خود
اک عجیب نشّہ تھا ان حسین جاموں میں
کیجیے کرم آقاؐ، مجھ غریب بے کس پر
میں بھی ہوں مریدوں میں، میں بھی ہوں غلاموں میں
عمرِ رائیگاں کی کچھ یاد گار شامیں ہیں
ذکر کی سجی محفل جن حسین شاموں میں
پاک سر زمیں میں ہم اس طرح جیئے برسوں
جس طرح سے افریقن ہوں سفید فاموں میں
ایک ہی قبیلہ ہے اہلِ عشق کا عرشیؔ
کیا دھرا ہے ذاتوں میں کیا دھرا ہے نامو ں میں

نفسِ امارہ

میں جس کام سے روکوں دِل کو
ہر اُس کام پہ تُل جاتا ہے
اپنی مرضی ہی کرتا ہے
گرچہ خاک میں رُل جاتا ہے
سرکش باغی نفس کا گھوڑا
جن رستوں سے روکا اس کو
اُن رستوں پہ سرپٹ دوڑا
شائد انساں ازل سے ناداں
اُس شئے کو ہی پانا چاہے
اُس رستے پر جانا چاہے
جس سے اس کو روکا جائے
بابا آدم، امّاں حوّا
جنت چھوڑ کے، ملزم ہو کر
کر کے خفا خالق کو اپنے
جس دانے کی خاطر نکلے
وہ اُن کو مرغوب کہاں تھا؟
فقط منع تھا

اب اور بتا کیا لِکھّوں

میں گونج ہوں عصرِ حاضر کی پھر بِس کو دوا کیا لکّھوں
جب دیکھوں ہر سُو کذب و ریا پھر صدق و صفا کیا لکّھوں
محسوس کیا جو لکھ ڈالا میں سچ کے سوا کیا لکّھوں
دِل چیر کے کاغذ پر رکھا، اب اور بتا کیا لکّھوں
اک عمر ہوئی لکھتے لکھتے ہر موضوع پر لکھ ڈالا
پھر آج تری فرمائش پر اے جان نیا کیا لکّھوں
کچھ میں ورق پر لکھا ہے کچھ اَن لکھی تحریریں
جو زیرک ہیں وہ پڑھ لیں گے میں کھُل کے بھلا کیا لکّھوں
جو بیت رہا ہے آج یہاں پہلے بھی یہی کچھ بیتا
کہنے کو نیا کچھ بھی تو نہیں اوروں کا لکھا کیا لکّھوں
جو غم کا مداوا کر نہ سکا، زخموں پر مرہم دھر نہ سکا
اُس ہاتھ کی کیا تعریف کروں اور دستِ شفا کیا لکّھوں
ہیں پاؤں شل اور پیشِ نظر اک اور مسافت لمبی
اور عزمِ سفر بھی اپنا ہے کچھ یونہی سا، کیا لکّھوں
ہاں دِل پر یاس کے غلبے سے آواز میں تلخی آئی
مٹی سے اٹا ہے صحن چمن آندھی کو گھٹا کیا لکّھوں
اک عمر سے ساون بھادوں کی رُت آنکھوں میں آ ٹھہری
اب اس کے سوا شہرِ دِل کی میں آب و ہوا کیا لکّھوں
آسان نہیں تھی راہِ وفا مجھ ناداں کو معلوم نہ تھا
ہر گام پہ ٹھوکر کھائی ہے، اک لغزشِ پا کیا لکّھوں

جو طالب ہیں جو سالک ہیں خود راہ پہ چل کر دیکھیں
یاں درد میں مخفی لذت ہے لذت کا مزہ کیا لکّھوں

جینے کی تمنا ہے جس کو مرنا ہی پڑے گا اُس کو
صدیوں سے یہی اک نسخہ ہے، سامانِ بقا کیا لکّھوں

کامل ہے اگرچہ شوق مرا، اظہار اپاہج ناقص
مستور جو لاکھوں پردوں میں وہ روپ بھلا کیا لکّھوں

چاہا تو یہی تھا لفظوں میں تصویر تمہاری کھینچوں
پر چلتے چلتے شوخ قلم خود ٹھہر گیا کیا لکّھوں

تو فضل سے اپنے جب چاہے اور جو چاہے لکھوائے
میں بندہ ہوں میں نوکر ہوں بے اذن بھلا کیا لکّھوں

تعریف وہی ہے کامل جو تُو خود اپنی تعریف کرے
میں نالائق، میں ناقص، تیری حمد و ثناء کیا لکّھوں

جب نامِ محمدؐ کو پڑھوں آنکھوں سے ورق کو چوموں
تحریر کروں جب ذکر ترا جُز صل علی کیا لکّھوں

آواز نہیں جو دہراؤں الفاظ نہیں جو بولوں
جو اشکوں میں ڈھل جاتا ہے وہ حرفِ دُعا کیا لکّھوں

جس ورق پہ تیرا نام لکھاوہ ورق مہکتا جائے
جس دِل میں نقش یہ کندہ ہے اُس دِل کی ضیاء کیا لکّھوں

کہتے ہیں کہ جسمِ اطہر سے بھینی سی مہک اک آتی تھی
مہکار وہی ہر سُو پھیلی خوشبوئے قبا کیا لکّھوں

وہ نور ہے چھُپ نہ پائے گا خود اپنی راہ بنائے گا
جس نام سے دِل میں چانن ہے وہ نام بھلا کیا لکّھوں

کہتی ہیں مری سکھیاں عرشیؔ خوشیوں کے بھی نغمے لکھو
جس کوچے میں دِل برسوں سے آیا نہ گیا کیا لکّھوں

ہم طوق کو چوما کرتے ہیں

ہم طوق کو چوما کرتے ہیں زنجیر کو بوسہ دیتے ہیں
جس تیر سے دِل پر زخم لگے اُس تیر کو بوسہ دیتے ہیں

ہم دیکھ کے عرشؔی تیغ و سناں خود گردن کو خم کرتے ہیں
ملحوظ ادب کو رکھتے ہیں شمشیر کو بوسہ دیتے ہیں

تدبیر کو رکھ کر ایک طرف مُنہ یار کا دیکھا کرتے ہیں
تسلیم و رضا کے خوگر ہیں تقدیر کو بوسہ دیتے ہیں

قرآن کو پڑھنے سے پہلے مصحف کو چوما کرتے ہیں
ہم خادم ہیں ہم عاشق ہیں تحریر کو کو بوسہ دیتے ہیں

ہم ہجر کی کالی راتوں میں اک یاد سے چانن کرتے ہیں
پھر دِل میں چھپا کر رکھی اک تصویر کو بوسہ دیتے ہیں

ہر زخم پہ مرہم دھرتے ہیں اُمید کو زندہ کرتے ہیں
کیا شان ہے سچے خوابوں کی تعبیر کو بوسہ دیتے ہیں

مظلوم کی عرشؔی آہ و فغاں بے روک فلک تک جاتی ہے
اور اشک دھواں بن جاتے ہیں تاثیر کو بوسہ دیتے ہیں

غزل

آج مستحکم ہے کل بے آسرا ہوجائے گا
یہ ترا طرزِ تحکم التجاء ہوجائے گا

خوش گمانی ہے تیری محور ہے تو، مرکز ہے تو
کل کو تیرا ذکر بھی آیا گیا ہوجائے گا

شوخ ہے بے حد یہ ہنستا بولتا مٹی کا بت
جب اجل کی ٹھیس پہنچی بے صدا ہوجائے گا

پیاس گر دی ہے تو مالک اذنِ سیرابی بھی دے
دل کا سوکھا پیڑ لمحوں میں ہرا ہوجائے گا

گر کھلے پنجرے میں پنچھی چاہ سے بیٹھا رہا
عشق کی وارفتگی کا فیصلہ ہوجائے گا

گر ہے دانش مند دنیا میں نہ اپنا دِل لگا
روگ ہے یہ بڑھ گیا تو لادوا ہوجائے گا

دُنیا داری کی محبت اک شکستہ ناؤ ہے
اس میں جو بیٹھا رہا بے شک فنا ہوجائے گا

ناز برداری اگر اس کی یونہی ہوتی رہی
آج خود سر ہے یہ دِل کل سرپھرا ہوجائے گا

یادِ مولا کے قفس میں خود کو کر عرشی اسیر
تنگ ہوکر یہ قفس بے حد کھُلا ہوجائے گا

کُوڑی کا سبزہ

میں نادان ہوں، میں مورکھ ہوں
جانے کب سے ڈھونڈ رہی ہوں

لفظوں میں اخلاص کی بُو
اور لہجوں میں احساس کی خُو

بے مقصد ہر لب سے پھسلا کرتی ہیں
بے معنی چمکیلی باتیں

مُنہ پر خوب رسیلی باتیں
پیٹھ کے پیچھے لیکن گونجیں

تیکھے لفظ کٹیلی باتیں
چاہت سے اخلاص سے عاری

بنجر رشتے، میل ملاپ
عرشی کُوڑی کا سبزہ ہیں

دعا کی بھوک

زخموں کی بھوک ہے کہیں دستِ شفا کی بھوک
ہم کو ہے بھوک درد کی تم کو دوا کی بھوک

پرواز ہر پرند کی اپنی فضا میں ہے
تم ہو انا پرست ہمیں التجاء کی بھوک

پھر قبلہ رُو ہیں کرکے وضو آنسوؤں سے ہم
پھر اس شکستہ دِل کو لگی ہے دُعا کی بھوک

گو گریہ زاریوں میں زمانے گزر گئے
لیکن ابھی مِٹی نہیں آہِ رسا کی بھوک

دردوں کی ہے سہار ہمیں عرض ہے تو یہ
تنہا اُداس دِل کو ہے درد آشنا کی بھوک

خوشیاں ملیں کہ غم ملے راضی ہیں جان و دِل
کِس سے چھُپی ہے آپ کے اہلِ رضا کی بھوک

بیٹھے ہیں در پہ آپ کے جھولی پسار کر
ہر آن دِل کو آپ کے دستِ عطا کی بھوک

چاہے وفا ہو چاہے جفا سب ہمیں قبول
کچھ تو عطا ہو ہم کو لگی ہے بلا کی بھوک

بس اک نظر، اک اور نظر، اور اک نظر
مِٹتی نہیں ہے آپ کے در کے گدا کی بھوک

اس شرمسار دِل پہ وہ لطف و کرم ہُوا
نیکوں کے دِل میں جاگ اُٹھی اک خطا کی بھوک

میلے سے اب جہان کے عرشی غنی ہُوئے
دُنیائے بے وفا سے کبھی تھی وفا کی بھوک

☆☆☆☆

رب سائیں کی بخشش ہو تو بخشیں دنیا والے
بِن برسے عرشی بارش کے کب بہتے ہیں نالے

قطعہ

اک خواب ہے دُنیا کہ عدم جس کی ہے تعبیر
اور موت کا لقمہ ہیں سبھی طفل و جواں پیر
انسانوں سے پُر روئے زمیں، زیرِ زمیں ہے
دونوں طرف اس خاک کے ورقے پہ ہے تصویر

گر تو چاہے

اس دِل کی اُجڑی بستی میں آ بیٹھ ذرا، گر تُو چاہے
دیوار و در کو دھو دھو کر میں دوں چمکا، گر تو چاہے

میں فرشِ زمیں کو صاف کروں خود اپنے میلے آنچل سے
ہر کونے کھدرے میں گھر کے دُوں پھول بچھا، گر تو چاہے

گو دِل کا ساز شکستہ ہے پر جادو تیری پوروں میں
اس ٹوٹے پھوٹے باجے کو جی بھر کے بجا، گر تُو چاہے

میں گرچہ بھوکی منگتی ہوں پر تیرے در کی منگتی ہوں
اے داتا تیری چوکھٹ سے ہر شئے ہو عطا، گر تو چاہے

آتی ہے حیا پھیلانے سے، ہے جھولی لیر و لیر مری
تُو خیر بھی دے اور جھولی بھی اے میرے خُدا، گر تو چاہے

میں عمرِ رواں کے ساحل پر حیران کھڑی ہوں برسوں سے
تُو لطف و کرم کی موجوں میں اب مجھکو بہا، گر تُو چاہے

ہاں میں نے خود کو پھونکا ہے دن رات الاؤ پھانکتے ہیں
اک راکھ کی صورت باقی ہوں، پھونکوں سے اُڑا گر تُو چاہے

احساس سے عاری لہجے ہیں مفہوم سے عاری فقرے ہیں
ان بنجر روحوں سے پھوٹے احساسِ وفا گر تو چاہے

شیطان کے مخفی پھندے ہیں کچھ اپنے نفس کے دھندے ہیں
ان جالوں سے جنجالوں سے خود مجھ کو چھڑا، گر تو چاہے

ہے علم مجھے یہ اہل زمیں ہم دِل والوں سے جلتے ہیں
تو بزم میں مجھ سے بات نہ کر رہ بے پروا، گر تو چاہے

اوقات نہیں یہ عرشؔی کی بے اذن ترے گھر آ جائے
گر جوشِ عشق پرکھنا ہے خود اُسکو بُلا، گر تو چاہے

قطعہ

حُبِ دُنیا سے یہ دِل خود بے مزہ ہوجائے گا
قید میں جکڑا ہُوا پنچھی رہا ہوجائے گا
خام ہے عرشؔی ابھی تیری ریاضت صبر کر
پھل پکے گا جب تو ٹہنی سے جُدا ہوجائے گا

جس کوتُو نہ ملا

اُسکو کیا علم کیا شئے ہے عیشِ بقا، جس کو تُو نہ ملا، جس کو تُو نہ ملا
زندگی ایسے انساں کی بے ذائقہ جس کو تُو نہ ملا، جس کو تُو نہ ملا

تول روزِ حساب اُسکا ہلکا ہُوا جس کو تُو نہ ملا، جس کو تُو نہ ملا
اُسکا مقسوم ہے اک بھڑکتی چِتا جس کو تُو نہ ملا، جس کو تُو نہ ملا

جس کے پیشِ نظر دُنیوی لذتیں، جسکا مقصود ہے، صرف جاہ وحشم
دُور تک ایسے انساں کے اندر خلا، جس کو تُو نہ ملا، جس کو تُو نہ ملا

گر چہ طاقت میں وہ مِثلِ فرعون ہو اور دولت میں شداد و قارون ہو
چشمِ بینا میں لیکن ہے بے دست و پا، جس کو تو نہ ملا، جس کو تُو نہ ملا

عارفوں کی تو وردی ہے کرب و بلا، شوق سے اس کو لیتے ہیں تن پر سجا
اس مزے سے وہ ناداں ہے نا آشنا جس کو تُو نہ ملا، جس کو تُو نہ ملا

دُنیاداری کی لذت میں جو مست ہے جس کی نظروں میں ذکرِ خُدا پست ہے
ایسے بیمار کا ہے مرض لادوا جس کو تُو نہ ملا، جس کو تُو نہ ملا

یہ گذرتا ہُوا وقت بے کار ہے ایک سردرد ہے ایک آزار ہے
روز و شب کا سفر اُسکا بے فائدہ جس کو تو نہ ملا، جسکو تو نہ ملا

عیشِ دُنیا سے عرشیؔ جو مانوس ہے کاش سمجھے یہ کاغذ کا ملبوس ہے
اُس کی عریانیوں کی نہیں انتہا جس کو تُو نہ ملا، جس کو تُو نہ ملا

کتنے موسم بیت گئے

آپ کے در پر آتے جاتے کتنے موسم بیت گئے
آپ کو دِل کے زخم دکھاتے کتنے موسم بیت گئے

من کے بنجر صحرا میں دن رات بگولے رقصاں ہیں
ہم کو اپنی خاک اُڑاتے کتنے موسم بیت گئے

خود بھڑکایا درد کا بھانبھڑ اشکوں کے چھڑکاؤ سے
پانی سے یہ آگ لگاتے کتنے موسم بیت گئے

جاناں کھڑکی کھول بھی دو اب، جان لبوں تک آ پہنچی
اس چوکھٹ سے سر ٹکراتے کتنے موسم بیت گئے

تنہا صبحیں، تنہا شامیں، تنہا راتیں بیتی ہیں
دِل کو ملن کی آس دلاتے کتنے موسم بیت گئے

درد چھپایا، آنسو پونچھے، چہرے پر مسکان سجائی
ان رمزوں سے جی بہلاتے کتنے موسم بیت گئے

شائد آج وہ پٹ کھولیں گے شائد آج وہ درشن دیں گے
ہر شب دِل کی آس بندھاتے کتنے موسم بیت گئے

آپ کے لب سے نکلی ’ہوں ہاں‘ اپنے دِل کا روگ بنی
’ہوں ہاں‘ کو معنی پہناتے کتنے موسم بیت گئے

آپ نے اک دن یونہی مُڑ کر مجھ کم ظرف کو دیکھا تھا
اُس دِن سے خود پر اتراتے کتنے موسم بیت گئے

ماتمِ ہستی اتنا پھیلا، جیون شامِ غریباں ہے
خود روتے، اوروں کو رُولاتے کتنے موسم بیت گئے

آس کی ننھی مدھم لَو تھی سخت تھپیڑے فرقت کے
آندھی سے یہ دیپ بچاتے کتنے موسم بیت گئے

جس کے عشق میں سُدھ بُدھ کھوئی، دُنیا چھوڑی، خاک ہوئے
اُس سے قول، قرار نبھاتے کتنے موسم بیت گئے

ہجر نہ جس کا جھیلا جائے جس کی ہر پل راہ تکوں
ہائے اُسے مجھ سے کتراتے کتنے موسم بیت گئے

بے ننگ و بے نام تو تھے ہی، اب بے گھر بھی بے در بھی ہیں
جگ سے اپنا حال چھپاتے کتنے موسم بیت گئے

فرصت میں سب زخم کھرچنا اپنا شوق پُرانا ہے
دِل کے سوئے درد جگاتے کتنے موسم بیت گئے

آپ کے در پر آ تو گئے پر عرضِ تمنا کر نہ سکے
یونہی جھجھکتے اور شرماتے کتنے موسم بیت گئے

جلوۂ جاناں جھیل نہ پائے اب تک آنکھیں ششدر ہیں
حیراں دِل کو ہوش میں لاتے کتنے موسم بیت گئے

تیرے ذکر کی محفل سے ہم دِل میں چراغاں کرتے ہیں
چھوٹے چھوٹے دیپ جلاتے کتنے موسم بیت گئے

اک دیوار اُٹھاتی ہُوں تو دو دیواریں ڈھے جاتی ہیں
دِل کا اُجڑا شہر بساتے کتنے موسم بیت گئے

کملی، جھلی اور سودائی، جگ نے کیا کیا لقب دیئے ہیں
عشق میں تیرے نام رکھاتے کتنے موسم بیت گئے ہیں

آپ کے اک دو مبہم فقرے میری عمر کا حاصل ہیں
ہِر پِھر کر ان کو دہراتے کتنے موسم بیت گئے ہیں

گریۂ پیہم خیر ہو تیری تُو بھی ہارا ہم بھی ہارے
اشکوں سے یہ آگ بجھاتے کتنے موسم بیت گئے ہیں

جانی پہچانی تھیں راہیں تیرے مُکھ کا چانن بھی تھا
پھر بھی گرتے، ٹھوکر کھاتے، کتنے موسم بیت گئے

اب بھی حُبِ دُنیا کی کچھ چھینٹیں دِل پر پڑ جاتی ہیں
آنچل سے یہ داغ چھڑاتے کتنے موسم بیت گئے

درد ہی اپنا سنگی ساتھی، درد ہی اپنا جیون ہے
عرشی درد کے نغمے گاتے کتنے موسم بیت گئے

اُداسی

روز میں رسمی چہرہ، رسمی آنکھیں لے کر
ملنے والوں سے ملتی ہُوں
ہنستی ہوں، باتیں کرتی ہُوں
سب میں گھُل مِل بھی جاتی ہُوں
خود کو پر تنہا پاتی ہُوں
اپنے آپ کو کوئی اور سی لگتی ہوں
آس پاس سے کچھ بے جوڑ سی لگتی ہُوں
اوپر ہریالی کی چادر
اندر بنجر صحرا ہے
آنکھیں ساون بھادوں ہیں
دِل اک سوکھا دریا ہے
کھوئی کھوئی روح مری
کتنی صدیوں سے پیاسی ہے
اک بے چینی کھویا پن ہے
اک بے رحم اُداسی ہے

سرمے میں ڈھلے ہیں طُور بہت

اُٹھ عرشیؔ سر پر شام پڑی
منزل ہے اپنی دور بہت

سر دُکھتا، آنکھیں جلتی ہیں
اور پیر تھکن سے چور بہت

چُپ چاپ ہی ہم کو رہنے دو
ہم خود کو سنبھالے بیٹھے ہیں

اک چیخ دبی ہے سینے میں
آنکھوں میں گھٹا گھنگھور بہت

یہ زخم بہت ہی گہرا ہے
سہلانے میں دُکھ جاتا ہے

وہ غم کی تجلی ایسی تھی
سُرمے میں ڈھلے ہیں طور بہت

اک روز یہ موسم بدلے گا
اور رِم جھِم برکھا برسے گی

تب پینگ چڑھائیں گی سکھیاں
پیڑوں کو لگے گا بُور بہت

وصیت

ہے درد بھرے دل کو ارمان وصیت کا
مولا مرے کردینا سامان وصیت کا

ہر آن میں پوشیدہ ان گنت حوادث ہیں
اے کاش نظر آئے امکان وصیت کا

اے میرے خدا مجھ کو توفیقِ وصیت دے
میں اب کے برس باندھوں پیمان وصیت کا

تا وقت دم آخر اک جہد مسلسل ہے
کچھ کام نہیں اتنا آسان وصیت کا

اقرارِ بیعت پر یہ اک مہر صداقت ہے
ہوتا نہیں ہر اک کو عرفان وصیت کا

اللہ کی قربت کو آسان بناتی ہے
بے شک ہے یہ بندوں پر احسان وصیت کا

سیراب یہ کرتی ہے اور پاک و مطہر بھی
سو سال سے جاری ہے فیضان وصیت کا

کرتی ہے وصیت بھی اُس شخص کی نگرانی
جو شخص کہ ہوتا ہے نگران وصیت کا

ہر فردِ جماعت کی خواہش ہے وہ موصی ہو
ہر شخص کو ازبر ہے فرمان وصیت کا

اڈے چلے آتے ہیں ہر سمت سے پروانے
بڑھتا چلا جاتا ہے دامان وصیت کا

جنت کے مکینوں کو اک باغ عطا کرکے
مہدی نے کیا جاری فرمان وصیت کا

کرتی ہے منافق سے مومن کو جدا بے شک
اک زندہ کسوٹی ہے عنوان وصیت کا

اللہ سے خبر پاکر مہدی نے کیا آخر
سہ بار دعا کرکے اعلان وصیت کا

چاندی سے کہیں بڑھ کر وہ خاک چمکتی ہے
سویا ہے جہاں عرشیؔ سلطان وصیت کا

☆☆☆☆

وصیت کی تمنا دل میں جب کروٹ بدلتی ہے
مرے بے مائیگی حسرت سے اپنے ہاتھ ملتی ہے

قفس میں بند ہوں عرشیؔ مگر اڑنے کی خواہش ہے
پروں کی پھڑپھڑاہٹ بن کے جو شعروں میں ڈھلتی ہے

اک پریم کا اکّھر پڑھ جاؤں

اک پریم کا اکھر پڑھ جاؤں
پھر ہنس کر سولی چڑھ جاؤں

تو ہاتھ پکڑلے گر میرا
میں دنیا بھر سے لڑ جاؤں

دل طور تجلّی مانگے ہے
اس بار بھلے میں سڑ جاؤں

ترے پریم کی چھینٹیں پانے کو
میں تپتی ریت میں گڑ جاؤں

ترے تخت کے پائے میں عرشیؔ
میں دِل کا ہیرا جڑ جاؤں

یہ کہانی پھر سہی

پوچھیے مت حال کیا ہے یہ کہانی پھر سہی
دِل میں کیوں محشر بپا ہے یہ کہانی پھر سہی

بے کلی سی کِس لئے ہے چین کیوں پڑتا نہیں
کون دِل میں آبسا ہے یہ کہانی پھر سہی

بِن سُنے وہ چل دیئے اور کہہ گئے جاتے ہُوئے
وقت کافی ہوچکا ہے یہ کہانی پھر سہی

میں جب تمہید باندھی ہنس کے وہ کہنے لگے
پیش کر گر کچھ نیا ہے یہ کہانی پھر سہی

کیا کہا، کس نے کہا، کس سے کہا اور کب کہا
یہ نرا شکوہ گلا ہے یہ کہانی پھر سہی

جانے کیا تھا میرے چہرے پر معاً وہ بول اٹھے
تیرے لہجے میں گلا ہے یہ کہانی پھر سہی

حال عرشؔی کیا سناؤں چلتے چلتے چھوڑیئے
یہ تو لمبا سلسلہ ہے یہ کہانی پھر سہی

سب ٹھیک ہے

ہورہا ہے جو بھی کچھ اچھا برا سب ٹھیک ہے
چپ رہو سہتے رہو ہر اک جفا سب ٹھیک ہے
بھینچ کر اپنے لبوں کو زندگی کرلو یہاں
مت کرو مشکل میں خود کو مبتلا سب ٹھیک ہے
رائے کا اظہار کرکے خود کو تنہا مت کرو
پھر کہوگے کیوں نہ ہم نے بھی کہا سب ٹھیک ہے
گر ہے سینے میں گھٹن تو ہے تمہارا ہی قصور
ورنہ شہر یار کی آب و ہوا سب ٹھیک ہے
مردنی پیڑوں پہ ہے پھولوں کے چہرے زرد ہیں
کہہ رہے ہیں چند طالع آزما سب ٹھیک ہے
وہ جو آئین وفا تھا اب ہے آئین جفا
جب کسوٹی گم ہوئی کھوٹا کھرا سب ٹھیک ہے
قافلے لٹتے چلے جاتے ہیں اک کے بعد ایک
اور کہتے جارہے ہیں راہنما سب ٹھیک ہے
فکر کس کو ہے خدا راضی ہے یا ناراض ہے
ناخدا راضی رہے تو معاملہ سب ٹھیک ہے
چھوڑ دو عرشی کو اس کے حال پر چارہ گرو
دردِ دل اب ہوگیا ہے لادوا سب ٹھیک ہے

دنیا کے کاروبار کی فرصت نہ ہوسکی

دنیا کے کاروبار کی فرصت نہ ہوسکی
دِل اُس سے جب ملا تو فراغت نہ ہوسکی

دیکھا جو حسن یار ازل ہوش اڑ گئے
اس جگ میں پھر کسی سے محبت نہ ہوسکی

لطف مزید کی نہ گئیں دل سے حسرتیں
اُس در پہ جاکے ہم سے قناعت نہ ہوسکی

نادم ہوں شرمسار ہوں شکوؤں گلوں پہ میں
کم ظرف ہوں سو مجھ سے مروت نہ ہوسکی

کٹیا میں مجھ غریب کی وہ آئے تو مگر
شایانِ شان مجھ سے مدارت نہ ہوسکی

کیا کیا نہ ہم کو یاد تھے نکتے نئے نئے
جب سامنا ہوا تو جسارت نہ ہوسکی

کیوں رنگ تیرا زرد ہے چہرہ بجھا ہوا
وہ پوچھنے لگے تو وضاحت نہ ہوسکی

دیکھے جو میرے زخم تو بے ساختہ کہا
افسوس وقت پر یہ جراحت نہ ہوسکی

سوچے جو اپنے عیب زباں بند ہوگئی
ہم سے کسی بشر کی مذمت نہ ہوسکی

لہجہ تھا ناصحوں کا زہر میں بجھا ہوا
سو کارگر کوئی بھی نصیحت نہ ہوسکی

ہم بے ہنر کسی کو بھی حیراں نہ کرسکے
افسوس ہم سے کوئی کرامت نہ ہوسکی

بس اک قدم اٹھا کے انا کو تھا روندنا
تا عمر ہم سے طے یہ مسافت نہ ہوسکی

ماتھا تو ٹیکتے رہے ہر صبح و شام ہم
پر سچ تو یہ ہے ہم سے عبادت نہ ہوسکی

بیکار ہی گئیں میری ساری وضاحتیں
دل سے کسی کے دور کدورت نہ ہوسکی

عرشیؔ ہوا ہُوا مرا شوقِ مکالمہ
لب یوں سلے کہ مجھ سے خطابت نہ ہوسکی

ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں

ایک پرانی نظم نئے اضافوں کے ساتھ

یہ شام و سحر جو میرے مالک تیرے در کے پھیرے ہیں
یہ اِکا دُکا ٹیس نہیں ہے دل کے درد گھنیرے ہیں
چہرے پہ بشاشت رسمی سی پر دِل میں غم کے ڈیرے ہیں
یہ رازِ محبت کس سے کہیں مالک ہم بندے تیرے ہیں
سب زخم تجھے دکھلائیں گے اوروں سے چھپائے بیٹھے ہیں
اک نظر کرم اس سمت بھی ہو ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں

جو عشق میں تیرے مٹ جائے جو آنسو بن کر بہتا ہو
اور طنز عزیزوں پیاروں کے جو چپکے چپکے سہتا ہو
جو تجھ سے باتیں کرتا ہو اور تجھ سے دل کی کہتا ہو
جو اپنے گھر کے اندر بھی پردیسی بن کر رہتا ہو
ہم ان دکھیوں کے ساتھ ہیں جو آہوں کو چھپائے بیٹھے ہیں
اک نظر کرم اس سمت بھی ہو ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں

اشکوں کے سیلاب کے آگے ہر پل روکیں دھرتے ہیں
خوش دِکھنے کا چہرے پر ہم رنگ و روغن کرتے ہیں
جیون کے بے معنی پن کو نظمیں لکھ لکھ بھرتے ہیں
عمر کی سولی پر لٹکے ہیں جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
چاند ہیں پورن ماشی کے لیکن گہنائے بیٹھے ہیں
اک نظر کرم اس سمت بھی ہو ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں

ہم مٹے ہوئے لوگوں میں ہیں بس ایک یہی پہچان بہت
ہم عاجز بھی ہیں بے کس بھی نہ آن بہت نہ شان بہت
ہم سارے صحیفے چھوڑ چکے بس ایک ہمیں قرآن بہت
ہم سب امیدیں توڑ چکے بس ایک تجھی پر مان بہت
اب دیکھ ہمیں رُسوا نہ کر تجھ پر اترائے بیٹھے ہیں
اک نظر کرم اس سمت بھی ہو ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں

دن رات مرے وحشی دل کو تیری چاہت تڑپاتی ہے
تیری قربت تڑپاتی ہے تیری فرقت تڑپاتی ہے
رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے تیری حسرت تڑپاتی ہے
دِل شعلہ سا بن جاتا ہے اس کی حدت تڑپاتی ہے
اس جلتے ہوئے انگارے کو سینے میں چھپائے بیٹھے ہیں
اک نظر کرم اس سمت بھی ہو ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں

اک اک کر کے ڈوب گئے امید کے مدھم تارے جب
مرہم رکھنے سے دکھتے تھے کچے زخم ہمارے تب
کلیاں پھول بچھائے ہم نے، کپڑے بال سنوارے سب
تیری راہیں تکتے تکتے اک یگ بیتا پیارے اب
دل کو آس کا لٹو دے کر ہم بہلائے بیٹھے ہیں
اک نظر کرم اس سمت بھی ہو ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں

اک بار ہمیں تو مل تو سہی ہمیں تیری چاہت کافی ہے
دشمن ہو اگر ساری دنیا ہمیں تیری محبت کافی ہے
اک جھلک دکھا کر ہوش اڑا دیدار کی لذت کافی ہے
بہتے ہیں جو آنسو آنکھوں سے کہتے ہیں ندامت کافی ہے
نادم ہیں گناہوں پر اپنے تجھ سے شرمائے بیٹھے ہیں
اک نظر کرم اس سمت بھی ہو ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں

دِل کو جکڑے رکھتے ہیں یہ ریشم جیسے پھندے رے
سجدوں میں بھی بھول نہ پائیں پاپی جگ کے دھندے رے
اب تک دل سے میل نہ اُتری ہم ہیں میلے گندے رے
حالانکہ دن رات چلے ہیں ہم پر آرے رندے رے
خالی ڈھول کی صورت اب ہم شور مچائے بیٹھے ہیں
اک نظر کرم اس سمت بھی ہو ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں

اب دور نہ مجھ کو کر دنیا دوری کی مجھے اب تاب نہیں
دل پاگل ہے اس پاگل کو اب یاد کوئی القاب نہیں
اخلاص ہی میرا سرمایہ یاں رسمیں اور آداب نہیں
دل مندر بھی ہے مسجد بھی یاں منبر اور محراب نہیں
سب عاشق تیرے عشق میں کیا کیا نام رکھائے بیٹھے ہیں
اک نظر کرم اس سمت بھی ہو ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں

بے چین ہوں گویا برسوں سے میرے تن من میں ہلچل ہے
پاؤں میں سفر کا چکر ہے گو سامنے اپنے منزل ہے
جو جتنا ٹوٹا پھوٹا ہو وہ ہی انسان مکمل ہے
روندے جو انا کو پیروں سے اُس شخص کا عجز ہی کامل ہے
سو ہم اپنی خود داری کو اب آگ لگائے بیٹھے ہیں
اک نظر کرم اس سمت بھی ہو ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں

گھپ اندھیرا، زخمی پاؤں، ہرجا ٹبے ٹوئے ہیں
اپنے ہاتھوں ہم نے اپنی راہ میں کانٹے بوئے ہیں
وقت گنوا کر ہم پچھتائے چپکے چپکے روئے ہیں
اس رستے پر آنے والے آتے لوئے لوئے ہیں
رات گئے ہم آئے ہیں سو منہ کو چھپائے بیٹھے ہیں
اک نظر کرم اس سمت بھی ہو ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں

اب ٹوٹ چکے ہیں پر میرے کیا دنیا میں پرواز کروں
انجام ہوا جس قصے کا اب کیا اسکا آغاز کروں
دنیا کی رضا کی خاطر میں کیسے رب کو ناراض کروں
بس ایک مرا ہمراز بہت اب کس کس کو ہمراز کروں
دنیا میں بہت ہم گھل مل کر کافی پچھتائے بیٹھے ہیں
اک نظر کرم اس سمت بھی ہو ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں
تجھ بن جو سال گذارے ہیں وہ سال نہیں تقصیریں ہیں
جلدی میں بہت اب رہتے ہیں ہمیں یاد سبھی تاخیریں ہیں
دل تیری قید میں راضی ہے ان دیکھی سی زنجیریں ہیں
ارزاں نہ انہیں جانو عرشی یہ خوں سے لکھی تحریریں ہیں
ہم زخمی دل کے ہاتھوں میں اب قلم تھمائے بیٹھے ہیں
اک نظر کرم اس سمت بھی ہو ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں
دنیا کا ہر روپ چھلاوہ کچھ بھی ہاتھ نہ آئے رے
شام ڈھلے اس میلے میں یوں پھرتے ہیں گھبرائے رے
جیسے آس نراس میں بدلے پیا نہ لینے آئے رے
اک بدقسمت لڑکی جس کی ڈولی نہ اٹھ پائے رے
ہار سنگھار ہوا اب باسی ہم کملائے بیٹھے ہیں
اک نظر کرم اس سمت بھی ہو ہم کب کے آئے بیٹھے ہیں

قطعات

چوکھٹ پہ پڑے ہیں تری ہم خاک نشیں ہیں
ہم اہل تذبذب نہیں ہم اہل یقیں ہیں
جو کچھ بھی لکھا دل کی گواہی سے لکھا ہے
ہم اہل قلم حرف کی حرمت کے امیں ہیں

☆☆☆☆

تہمت گروں میں گھر گئے رسوائیاں ملیں
ہم کو بھرے نگر میں بھی تنہائیاں ملیں
ہم خاک چھانتے رہے ساحل پہ بیٹھ کر
وہ خوش نصیب تھے جنہیں گہرائیاں ملیں

☆☆☆☆

بالائے زمیں ہو کے بھی ہم زیر زمیں ہیں
مقتل ہوئے وہ شہر کہ ہم جن کے مکیں ہیں
ہر کوچہ و بازار میں چھینٹے ہیں لہو کے
خاموش ہیں، حیران ہیں، دلگیر و حزیں ہیں

جن کے لفظ مردہ ہیں بانجھ جن کی تقریریں
حرف حرف رسمی ہے بے مغز ہیں تحریریں
علم ہے نہ حکمت ہے، نہ دلیل پختہ ہے
جنگ کیسے جیتیں گے جن کی کند شمشیریں

☆☆☆☆

ہم سنگ سر سراہ و انمول نگیں ہیں
ہم اہل زمیں ہیں وہ ستاروں کے مکیں ہیں
کیونکر نہ سر بزم انہیں پر ہوں نگاہیں
ہم خاک ہیں ہم دھول ہیں وہ ماہ جبیں ہیں

☆☆☆☆

دنیا دارو میرے پیارو تم میں عمر گذاری
تم کو خوش کرنے کی کوشش کرتے کرتے ہاری
آج مگر اس دل کے اندر جاگی ہے بے زاری
شہد سے بڑھ کر میٹھے چشمے اب لگتے ہیں کھاری
دھندے ہیں اس دنیا کے یا سر پر بوجھ دھرا
کب تک مالک چکی پیسوں آ کر مجھے چھڑا

کچھ اشعار

برسوں تو نے تسبیح پھیری، پھرا نہ من کا پھیر
ہاتھ کی تسبیح چھوڑ کے پیارے من کا منکا پھیر

☆☆☆☆

ہاتھ میں تسبیح پھرتی جاوے منہ میں پھرے زباں
نفس پھرے پر چاروں جانب رب کا نہیں دھیاں

☆☆☆☆

آسن مارے کیا ہوا جب مری نہ من کی آس
من کے اندر رچی رہی اس پاپی جگ کی باس

☆☆☆☆

دنیا ہے اک ٹھگنی پیارے سب کو ٹھگتی جائے
اُس ٹھگ کو پرنام ہے جو اس ٹھگنی کو ٹھگ جائے

☆☆☆☆

دنیا داری کی یہ رسمیں جگ کے رِیت رواج
کل بھی مجھ سے نبھ نہ پائے کیسے نبھاؤں آج
دُکھتے سر پر پہن لیا ہے کانٹوں والا تاج
دِل کی اجڑی بستی میں ہے تنہائی کا راج

شب گذری تو پھر چڑھ آیا اک بے رنگ دیہاڑ
کھول رہا ہے دل کے اندر آتش فشاں پہاڑ
غم کی ندی یوں چڑھ آئی ضبط کے بندھن ٹوٹے
ہم بھی کھل کر روئے عرشی شرم کی قید سے چھوٹے

☆☆☆☆

تین اشعار

سر کو سفید کردیا چہرہ سوال کردیا
عرشؔی مری تلاش نے مجھ کو نڈھال کردیا
ہر دل چڑھا تو یوں لگا اب اور جی نہ پائیں گے
نصف صدی گزار دی ہم نے کمال کردیا
میری وہ عارضی خوشی بھائی نہیں مرے یار کو
منصب درد پر مجھے اس نے بحال کردیا

رحمت ایزدی کی پکار

گرچہ ہے گناہوں میں گرفتار چلا آ
آ پاس مرے، میرے خطا کار چلا آ
بخشش مری ہر سمت تجھے ڈھونڈ رہی ہے
کیوں مجھ سے گریزاں ہے مرے یار چلا آ
سو بار بھی توبہ کو اگر توڑ چکا ہے
رحمت مری کہتی ہے کہ سو بار چلا آ
مایوس نہ ہو گر مرے وعدوں پہ یقیں ہے
وعدے کا میں سچا ہوں ستم گار چلا آ
ڈھک لے گی ترے عیب مری رحمت جاری
مت بھول مرا نام ہے ستار چلا آ
دو اشک ندامت ترے دوزخ کو بجھادیں
آنکھوں میں لیئے اشکوں کی منجدھار چلا آ
میں کون ہوں کیا ہوں تجھے ادراک نہیں ہے
دیکھا ہی نہیں تونے رخِ یار چلا آ
دوزخ سے نہ ڈر چھوڑ دے جنت کی طمع کو
آ دیکھ مجھے طالب دیدار چلا آ
راہ دیکھ رہا ہے ترا خالق ترا مالک
مسجودِ ملائک مرے شہکار چلا آ

بندہ ہے تو بندے کے لئے عجز ہے زیبا
سر پر نہ سجا کبر کی دستار چلا آ
آجا کہ کھلے ہیں ابھی توبہ کے دریچے
قبل اس کے کہ ہوجائے تو لاچار چلا آ
مجبوری و مختاری کی بحثوں کو بھلا دے
بے کار نہ کر حجت و تکرار چلا آ
مٹی ہے تری خیر کا اور شر کا مرکب
تو خیر کو لے شر سے ہو بیزار چلا آ
اوجھل نہیں تو مجھ سے بھٹکتے ہوئے راہی
پھرتا ہے کہاں ہوکے یونہی خوار چلا آ
یاں دیر اگر ہے بھی تو اندھیر نہیں ہے
مجھ سا نہ ملے گا کوئی غم خوار چلا آ
میلے سے جہاں کے ترا دل ہی نہیں بھرتا
گھر میں ترے چیزوں کے ہیں انبار چلا آ
تاجر ہے اگر تُو تو رضا میری کمالے
ہوجائے گا کل بند یہ بازار چلا آ
اب چھوڑ بھی دے دنیائے فانی کے مزوں کو
آ چکھ تو سہی لذتِ آزار چلا آ
تُو موت کے قدموں کی بھی آہٹ نہیں سنتا
کرتا ہے تجھے وقت خبردار چلا آ
پیارا ہے مجھے بندۂ تواب و مطہر
قرآن کو پڑھ عجز میں سرشار چلا آ

کر دیتی ہے معدوم یہ فی الفور گناہ کو
توبہ میں نہاں ہیں عجب اسرار چلا آ

اب چھوڑ بھی دے ظلم و جفا کا یہ وطیرہ
یاں عجز فقط عجز ہے درکار چلا آ

یہ دل پہ جما زنگ اسی وقت کھرچ دے
ہوجائے گا کل کام یہ دُشوار چلا آ

گردن میں تری طوق ہیں پیروں میں سلاسل
اس پر ہے عجب شوخی رفتار چلا آ

یہ کام ہے جلدی کا اسے ٹال نہ کل پر
کل آئے نہ آئے دِل بیمار چلا آ

آدمؑ نے بھی توبہ میں ہی ڈھونڈی تھیں پناہیں
آدمؑ کے قدم پر ہی قدم مار چلا آ

مہلت جو میسّر ہے تو کچھ فیض کمالے
کافی ہیں جو لکھ ڈالے ہیں اشعار چلا آ

بہروپ نہ بھر عابد و زاہد کا نکمے
رگ رگ سے میں واقف ہوں ریاکار چلا آ

کجرو کی نہیں ہے مرے کوچے میں رسائی
درگاہِ مقدس ہے یہ ہموار چلا آ

ہونے کو ہے اب ختم تری عمر کی نقدی
ڈھلنے کو ہے دن اب تو خریدار چلا آ

خود تیری انا راہ کی دیوار ہے عرشیؔ
دیوار گرا بھول کے پندار چلا آ

لفظوں کے زخم

مت زخم لگاؤ لفظوں سے ہر لفظ ہے زخم کاری
اک پل میں کاٹے رشتوں کو تلوار ہے یہ دو دھاری

پھر لاکھ تدبیریں سفلی، لاکھ کرو ہشیاری
رب سے رشتہ کٹ جائے گا یہ نقصان ہے بھاری

دنیا اور عقبیٰ کی ذلت جو بدبخت کمائے
اپنے کھوٹے سودے پر وہ آخر کو پچھتائے

اپنی ضد اور انا کے بت کی پوجا کرنی چھوڑو
عجز کا تیشہ ہاتھ میں لے کر اس پتھر کو توڑو

خوف خدا کی باگیں ڈالو نفس کو روکو موڑو
عمر کی شام ڈھلی جاتی ہے رب کی جانب دوڑو

دنیا کے سب رگڑے جھگڑے چھوڑ کے جانا ہوگا
اس جگ میں کچھ کھو کر ہی اس جگ میں پانا ہوگا

حصہ دوم

جو کیا محسوس جو سوچا وہ عرشؔی لکھ دیا
سادہ دل تھے ہم لگی لپٹی کوئی رکھی نہیں
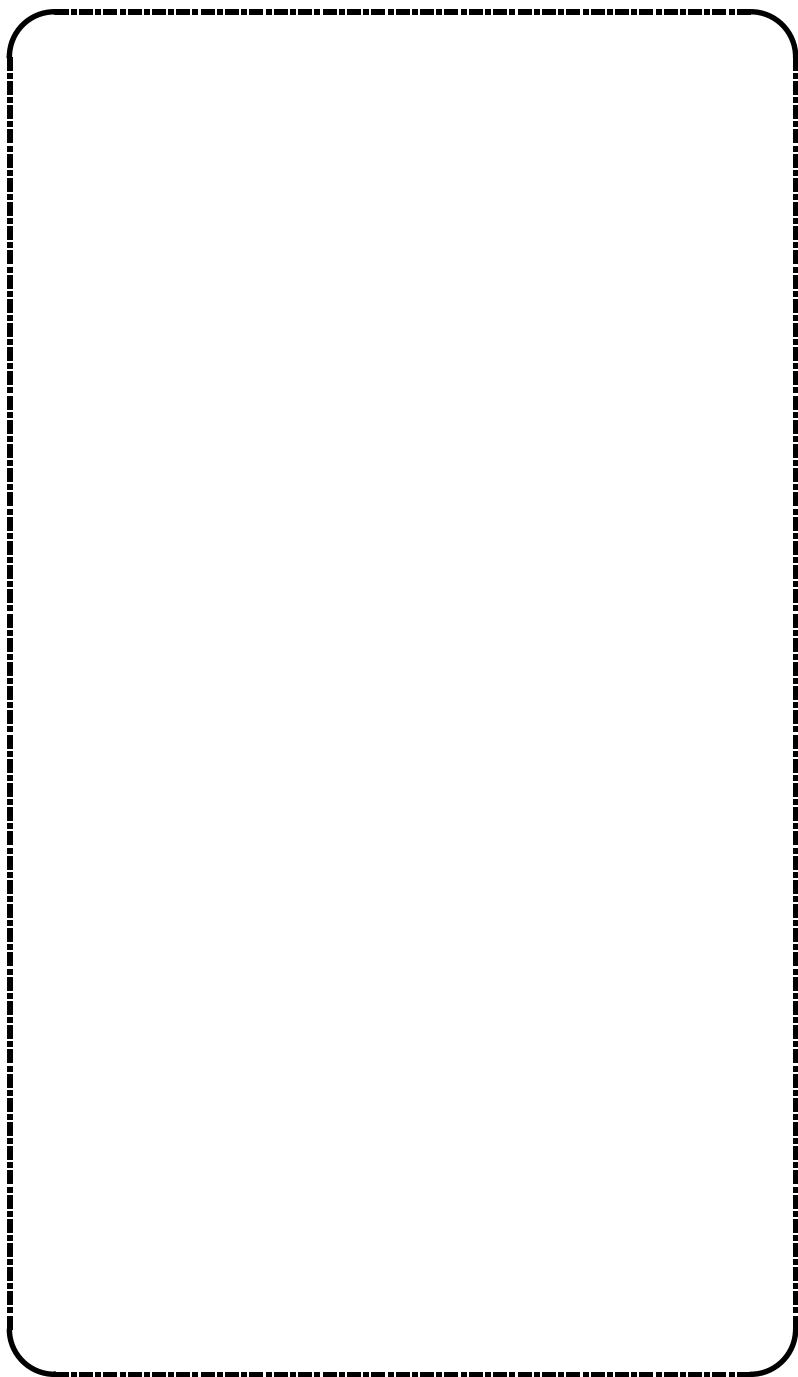
میں سچ کے سوا کیا لکھوں؟

''بھرے شہر میں بن باس'' کا یہ حصّہ میرے پُرانے کلام پر مشتمل ہے۔اس کلام کو چھپوانے کا خیال یوں آیا کہ ایک تو اکثر میرے قارئین پوچھتے ہیں کہ دینی اور تربیتی شاعری تو تم نے 2001ء میں شروع کی اُس سے پہلے تم کیا لکھا کرتی تھیں؟

دوسرا یہ سوچا کہ پتہ نہیں زندگی پھر موقع دے یا نہ دے یہ کلام بھی ریکارڈ پر آ جانا چاہیے۔شائد دینی کلام کی برکت سے اسے بھی پذیرائی حاصل ہو جائے کہتے ہیں لکڑی کے ساتھ لوہا بھی سطحِ آب پر تیرنے لگتا ہے۔

ویسے بھی قارئین میں ہر مذاق اور ہر طبیعت کے لوگ ہوتے ہیں اور بقول احمد فراز

غم دُنیا بھی غمِ عشق میں شامل کرلو
نشّہ بڑھتا ہے شرابیں جو شرابوں میں ملیں

عمرِ رواں کی ندّی مختلف سرزمینوں سے گذرتی ہے۔جب پہاڑوں سے گذرتی ہے تو اس کا پانی شوریدہ سر ہوتا ہے شور مچاتا اور چھینٹے اُڑاتا ہے پھر میدانی علاقوں میں آ کر وہی پانی پُرسکون ہو جاتا ہے اور اُس سے بنجر زمینوں کو سیراب کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔اصل چیز جذبے کی سچائی، دیانتداری اور شفاف پن ہے، بقول فیض احمد فیض

اِس عشق نہ اُس عشق پہ نادم ہے مگر دِل
ہر داغ ہے اس دِل میں بجز داغِ ندامت

عرشی ملک

30مارچ2007ء

غزل

ہوا کی زد پہ ہوں ہر سائباں سے باہر ہُوں
وہ اجنبی ہوں کہ اپنے مکاں سے باہر ہُوں

نیا نیا مجھے اُڑنے کا شوق لے ڈوبا
زمیں کی گرد ہوں میں آشیاں سے باہر ہوُں

وصال و ہجر کے لمحوں کا اب شمار کہاں
گنوا کے تجھ کو میں سود و زیاں سے باہر ہوُں

میں ٹمٹماتا ہُوا چاند رات کا تارہ
تری نظر میں سجی کہکشاں سے باہر ہُوں

میں اپنے ڈھونڈنے والوں کی آنکھ سے اوجھل
قدم قدم پہ سجی ہر دوکاں سے باہر ہوں

جُدا ہیں راستے میرے جُدا مری سوچیں
میں ہم قدم ہُوں مگر کارواں سے باہر ہُوں

نہ منزلوں کا پتہ ہے نہ واپسی ممکن
لرزتا تیر ہُوں ٹوٹی کماں سے باہر ہُوں

مرے لئے نہ حوالے تلاش کر عرشیؔ
گنوا نہ وقت کہ میں داستاں سے باہر ہُوں

غزل

باہر کی چُپ ٹوٹے عرشیؔ، اندر بول اُٹھے
جس منظر میں وہ در آئے، منظر بول اُٹھے

مجھ میں پوشیدہ صورت کو آج رہائی دے
سنگ تراش کے ہاتھ میں آ کر پتھر بول اُٹھے

آج چلو اک دُوجے کو اصلی صورت میں دیکھیں
جو بھی جس کے جی میں آئے کھُل کر بول اُٹھے

اُس سے جو کچھ طے کرنا ہے اس جیون میں کرلو
ایسا نہ ہو کل وہ روزِ محشر بول اُٹھے

میرے گھر کا سُونا پن پل میں رخصت ہوجائے
جب وہ گھر میں داخل ہو سارا گھر بول اُٹھے

جسم و جاں کی ساری تلخی ہونٹوں پر آٹھہری
چُپ رہنے کی جی میں ٹھانی تھی پر، بول اُٹھے

اب محرومی آخری حد پر لوگوں کو لے آئی
کچھ دن میں تم دیکھو گے کہ اکثر بول اُٹھے

میری اپنی جنگ مجھی کو تنہا لڑنی ہے
کون ہے جو اس شہر میں میری خاطر بول اُٹھے

تیرا اپنا بوجھ بنے گا سب زخموں کا باعث
ننگے پیروں کے نیچے سب کنکر بول اُٹھے

آج کھلا یہ راز کہ عافیت تقلید میں ہے
پیر اُٹھایا مرضی سے تو راہبر بول اُٹھے

اُس نے کچھ نہ کہہ کر بھی عرشیؔ اپنی منوائی
آج بھی وہ نہ بولا اُس کے تیور بول اُٹھے

غزل

باتوں میں تازگی لگی لہجہ نیا لگا
جس زاویے سے بھی اُسے دیکھا بھلا لگا

حسّاسیت نے دِل کا عجب حال کردیا
یونہی سی کوئی بات تھی ہم کو گِلا لگا

جتنے سفر بھی میں نے تیری کھوج میں کیئے
اپنی تلاش میں تھے مجھے اب پتہ لگا

میں اُس پہ اپنے قتل کا الزام کیا دھروں
اندازِ معذرت ہی مجھے خوں بہا لگا

جو بھی لکھی ہوئی تھی ہمیں کاٹنی پڑی
پر کیوں لکھی گئی تھی یہ کچھ نہ پتہ لگا

جب اپنی آرزو سے قلم ہاتھ میں لیا
مصرع بھی ایک کہنا مجھے معرکہ لگا

وہ کچھ بھی ہوگیا ہے کہ ممکن نہیں تھا جو
اُس سے بچھڑ کے بھی مجھے جینا بھلا لگا

عرشی سبھی دُکھوں کی کسک ساتھ لے گیا
بس ایک ہی تو زخم ہمیں کام کا لگا

غزل

ہر موحّد رفتہ رفتہ خود ہی بُت گر ہوگیا
مدتوں کعبہ رہا جو دِل وہ مندر ہوگیا

نام اور چہرے سبھی آپس میں گڈ مڈ ہوگئے
بھول یہ مجھ سے ہُوئی، یہ جُرم اکثر ہوگیا

قد بڑھانے میں اُسے مشکل سے دو لمحے لگے
وہ چڑھا اسٹول پر میرے برابر ہوگیا

پیدا ہونے کو ہے پھر کوئی براہیمی صفت
سب کے سب بُت گر بنے ہر شخص آزر ہوگیا

کتنی صدیوں بعد جاگے ہیں ہم اصحابِ کہف
ہم نے جو ہیرا چھپا رکھا تھا کنکر ہوگیا

اے فقیہو، اے سمجھدارو مجھے کچھ نام دو
وہ کھرا سونا تھا مجھ کو چھُو کے پتھر ہوگیا

مجھ سے میری دیس کی مٹی کی زرخیزی نہ پوچھ
جھوٹ بھی قد کاٹھ میں سچ کے برابر ہوگیا

جھولیاں بھر بھر جہالت شہر میں بٹتی رہی
کوئی دانشور بنا، کوئی مفکر ہوگیا

ہم کہ صوفی منش تھے اُس پر قناعت کرگئے
جو بھی بن مانگے ہمیں عرشی میسّر ہوگیا

غزل

حبس بڑھتا جارہا ہے اب یہاں
اُس نے چنوا دی ہیں ساری کھڑکیاں

بارشیں آئیں گی لیکن بعد میں
اُس سے پہلے لال، کالی، آندھیاں

چار جانب آج کے اخبار ہیں
چار جانب چیختی ہیں سُرخیاں

باغ میں تازہ لہو کی باس ہے
کر گئیں ہجرت بَنوں کو تتلیاں

قرب اتنا راس آیا ہے کِسے
دُور کردیں گی ہمیں نزدیکیاں

تیری قدرت ہر طرف پھیلی ہوئی
اور تُو خود اپنی قدرت میں نہاں

ہم بھی جیتے جارہے ہیں بے سبب
سانس لیکن ایک بھی اپنا کہاں

نام تک دِل سے کھُرچ ڈلا ترا
کِس قدر بے رحم ہیں یہ دُوریاں

اک ذرا سی بات پر رنگین خواب
بُن لیا کرتی ہیں پاگل لڑکیاں

دِل کے اندر جانے کیسی آگ ہے
بارشوں میں بھیگتی ہیں تتلیاں

تب یہ لگتا تھا کہ جی نہ پائیں گے
اور اب میں خوش یہاں ہوں تُو وہاں

میری پوروں میں چھپی ہے بے کلی
جانے کیا کیا لکھ رہی ہیں اُنگلیاں

تیرے نہ ہونے کی وقعت کچھ نہیں
اور ہونا بھی ہے عرشی رائیگاں

☆☆☆☆

شہر خاموش تھا، سونی سی پڑی تھیں گلیاں
شورِ محشر جو اُٹھا تھا، مرے اندر سے اُٹھا

غزل

بھرپور غم ملا نہ مکمل خوشی ملی
ہر ایک شئے میں کوئی نہ کوئی کمی ملی

کوئی بھی چیز ہم کو کہاں کام کی ملی
جب قسمتیں بٹیں تو ہمیں شاعری ملی

جذبوں کو میں نیا کوئی لہجہ نہ دے سکی
جو بات بھی کہی، کہیں پہلے کہی ملی

راحت کا پل ملا نہ گھڑی چین کی ملی
جس شخص کو ذرا سی بھی خود آگہی ملی

گذری تمام عمر مگر بھید نہ کھُلا
کِس واسطے غموں کی ہمیں چاکری ملی

آوارگی کا کچھ تو چلو مل گیا جواز
منزل اُنہیں ملی ہے ہمیں گمراہی ملی

سب منظروں کے راز چکا چوند لے گئی
جب آنکھ بُجھ گئی تو مجھے روشنی ملی

نہ تاب چھیننے کی تھی نہ مانگنے کا ذوق
لوگوں کی دست بُرد سے جو شئے بچی، ملی

لاج آ گئی کہ کیوں کِسی شئے کے لئے جھکیں
گو راستے میں ہم کو خُدائی پڑی، ملی

ڈھونڈا ہے جس حسین کو ہم نے گلی گلی
اپنی گلی کے پاس ہی اُس کی گلی ملی

غزل

جلتے صحراؤں میں چشمہ دیکھ لیا
دُور دیس میں کوئی اپنا دیکھ لیا

سُونے دِل پر سپنوں کی یلغار ہُوئی
اُس کی آنکھ میں اپنا چہرہ دیکھ لیا

سولہ کا سن اور دمکتا سُندر مکھڑا
اوپر سے اُس نے آئینہ دیکھ لیا

ساری بھیڑ کو چیر کے میری سمت بڑھا
اُس نے مجھ کو خود سا تنہا دیکھ لیا

جانے اب اس سپنے کی تعبیر ہو کیا
آنچل کو کانٹوں سے اُلجھا دیکھ لیا

سات برس کی عمر میں چہرہ پختہ ہے
جانے اُن آنکھوں نے کیا کیا دیکھ لیا

گھر کے اندر اُلجھا اُلجھا رہتا ہے
بچے نے باہر کا رستہ دیکھ لیا

میرا اُس کا ساتھ ہے عرشیؔ برسوں کا
اُس نے مجھ میں آج نیا کیا دیکھ لیا

غزل

اُڑتی ہے گھر کے فرش پہ اُس کے خطوں کی راکھ
کیا خواب تھے جو پل میں ہُوئے کاغذوں کی راکھ

شعلہ سا ایک بھڑکا تھا اک لمحہ پیشتر
پھیلی ہوئی ہے چاروں طرف جنگلوں کی راکھ

میری اُڑان میرے تخیل سے تھی بلند
بکھری ہے آسمان پہ میرے پروں کی راکھ

میری نہ فکر کر کہ میں جھونکا ہوا کا ہوں
پر تجھ کو ڈھانپ لے گی مری خوشبوؤں کی راکھ

آندھی تھمی تو دیکھ کے ہر آنکھ نم ہوئی
تھی گھر کے آنگنوں میں فقط پت جھڑوں کی راکھ

عرشی غبارِ عمر سے کوئی نہ بچ سکا
چہروں پہ جم گئی ہے کٹھن راستوں کی راکھ

غزل

درد جائے گا، مگر جائے گا جاتے جاتے
صبر آئے گا مری جان پر آتے آتے

دِل کہ ہوتا ہی چلا جاتا ہے ریزہ ریزہ
اتنی مرہم بھی کہاں تھی کہ لگاتے جاتے

ہم کہاں کہتے ہیں دن رات سرہانے رہتا
حال تو پوچھ ہی سکتا تھا وہ آتے جاتے

آج فارغ بھی تھا اور موڈ بھی اچھا اُس کا
آج بہتر تھا اگر حال سُناتے جاتے

ہم تو کم ظرف تھے، کم فہم تھے اچھا یونہی
تم وضع دار تھے اتنے تو نبھاتے جاتے

آپ کی خیر ذرا نظرِ کرم تو کرتے
دِل کی اُجڑی ہُوئی بستی تو بساتے جاتے

آگ بھڑکے گی تو پھر کچھ نہ بچے گا باقی
ایک چنگاری رہی تھی سو بُجھاتے جاتے

حوصلہ تیری تجلّی کا نہ پایا خود میں
راہ میں بیٹھ گئے طُور پہ جاتے جاتے

میں نے مُڑ کر اُسے دانستہ نہ دیکھا عرشؔی
اُس نے بھی آنکھ ملائی نہیں جاتے جاتے

غزل

اک شخص سارے شہر میں دلبر لگا مجھے
پھر کوئی بھی نہ اُس کے برابر لگا مجھے

تاراج کر گیا ہے مرے دِل کی سرزمیں
اس دور میں وہ شخص سکندر لگا مجھے

بے اعتنائی کی تو میں عادی تھی اے خُدا
تیری نوازشوں سے بہت ڈر لگا مجھے

ایسے بھی جسم وجان پہ گذرے ہیں سانحے
قطرہ بھی جب ملا تو سمندر لگا مجھے

جادو وہ اُس کے ساتھ کا حیران کرگیا
ڈبہ وہ ریل کا تھا مرا گھر لگا مجھے

عرشی میں اپنی ذات سے مانوس ہوں مگر
دیکھا قریب سے تو بہت ڈر لگا مجھے

غزل

ڈھکی ہُوئی کوئی پھولوں سے رہگذر لینا
ہمارے گھر کے کہیں آس پاس گھر لینا

طویل اتنی کہاں عمر اپنے جذبوں کی
کہ راہ کوئی بھی لینا تو مختصر لینا

چمکتا چہرہ خزاں رنگ ہوگیا پیارے
اب اس قدر نہ کسی بات کا اثر لینا

گھروں کو لوٹنے والو اُداس ہیں رستے
اگر تھکو تو کہیں دو گھڑی ٹھہر لینا

ہمارے طور طریقے عجیب ہیں عرشی
نگاہ بھر کے اُنہیں دیکھنا سنور لینا

غزل

اب وہ رعنائی وہ چاہت ترے جذبوں میں کہاں
تازگی شام کو بِکتے ہُوئے گجروں میں کہاں

زندگی بھی ہے کباڑی کی دوکاں کی مانند
اور نیا پن بھی کِسی شخص کی سوچوں میں کہاں

دیوتا تُو ہے تو میں دیوتا گر ہوں پیارے
ذکر میرا ترے مذہب کی کتابوں میں کہاں

آئینہ دیکھ کے اپنے سے بھی ہول آتا ہے
دھند سا لُطف بھلا دن کے اُجالوں میں کہاں

دِل بہل جانے کے انداز بنا لیتا ہے
ورنہ وہ سحر اُمیدوں کے کھلونوں میں کہاں

عادتاً ہم تجھے کہتے ہیں مسیحا عرشیؔ
ورنہ پہلی سی شفا اب ترے ہاتھوں میں کہاں

غزل

میرے ہاتھوں میں نہیں کوی ہنر ابکے برس
جانے کِس اسم پہ کھلتا ہے یہ در ابکے برس

کچھ تو بھگتا گئے ناکردہ گناہوں کی سزا
زد پہ آندھی کی ہیں کچھ اور شجر ابکے برس

رقص آسیب کا جاری ہے مرے شہروں میں
کس کو درکار ہے کِس شخص کا سر ابکے برس

جی جلائے گا یہ آوارہ و بے در ہونا
دِل دُکھائیں گے یہ مہکے ہُوئے گھر ابکے برس

تری الفت، تری چاہت، تری شفقت کے طفیل
کتنا برسے گا مرا دیدۂ تر ابکے برس

خشک سالی کی اذیت سے چٹختی ہے زمیں
ابر بن کر میرے آنگن میں اُتر ابکے برس

آنسوؤں کا تری یادوں سے ہے گہرا رشتہ
اشک بن کر مری آنکھوں میں ٹھہر اب کے برس

غزل

ہم نے جو گل چُنے تھے وہ سب خار ہوگئے
جو آشنا تھے باعثِ آزار ہوگئے

اُڑتے ہُوئے کِسی نے زمیں کی خبر نہ لی
پر ٹوٹنے لگے تو وضع دار ہوگئے

کچھ لوگ جن سے کوئی نہ آگے نکل سکا
تھک کر گرے تو راہ کی دیوار ہوگئے

ہم لوگ فطرتاً ہی اذیت پسند تھے
ہر درد ہر جفا کے طلبگار ہوگئے

یہ اختیار کرلی زمانے نے کیا روش
سب لوگ تیرے حاشیہ بردار ہوگئے

عرشی یہ شہر ٹوٹتے خوابوں کا شہر ہے
کیوں ہم حقیقتوں کے طلب گار ہوگئے

غزل

اک عمر سے یہ بام یہ در ایک ہی سے ہیں
ہم دن جو کرر ہے ہیں بسر ایک ہی سے ہیں

چہروں پہ سب کے خول چڑھے ہیں جُدا جُدا
اندر سے ورنہ سارے بشر ایک ہی سے ہیں

خاصیتیں جُدا ہیں ہر اک پیڑ کی تو کیا
سیلاب کو تو سارے شجر ایک ہی سے ہیں

دُنیا کی اونچ نیچ میں کیا راز ہیں نہاں؟
انسان سب خُدا کو اگر ایک ہی سے ہیں

دُکھ درد ایک سے ہیں مسائل بھی ایک سے
عرشی ہمارے، آپ کے گھر ایک ہی سے ہیں

غزل

تجھ کو سوچا ہے ہمیشہ بھیگتی پلکوں کے ساتھ
ایک نسبت سی گھٹا کو ہے تری یادوں کے ساتھ

اب کے تو دِل جل بُجھے گا درد کے شعلوں کے ساتھ
تُو نے ٹالا تک نہیں اِک بے مجھے باتوں کے ساتھ

اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر خود کو بہلاتے رہے
رو دیئے آخر لپٹ کر گھر کی دیواروں کے ساتھ

تم فقط اتنا ہی کہہ دیتے کہ لوٹو گے کبھی
عمر بھی ہم کھیلتے رہتے انہیں لفظوں کے ساتھ

چیخ کر روتا ہے پھر گستاخ بچے کی طرح
چھُپ کر سُن لیتا ہے دِل ہر بات دروازوں کے ساتھ

چھُٹ گئی ہاتھوں سے جھولی آ کے اک ڈھلوان پر
بھاگتی پھرتی ہُوں اب تک بھاگتے بیروں کے ساتھ

پیار کے ناسور عرشی روح کا سرطان ہیں
مندمل ہوتے نہیں ہیں یہ کبھی لمحوں کے ساتھ

غزل

نگری نگری پھرتے رہنا اپنا مقدر رہنے دو
میں اک جوگی، میں سودائی، مجھکو بے گھر رہنے دو

مجھ سا کوئی دیوانہ پھر شہر میں شائد آ نکلے
لوگو! تم محتاط رہو اور ہاتھ میں پتھر رہنے دو

اپنی محبت، اپنی رفاقت مت چھینو بے دردی سے
مانگے تانگے ہی کی سہی تم سر پر چادر رہنے دو

باہر کی اس بھیڑ میں اپنے گھر کا رستہ بھول گئی
میں نے کہا تھا مجھ کو اک کونے میں چھُپ کر رہنے دو

کرچی کرچی ہو کے ہمیشہ کتنا زخمی کرتے ہیں
خوابوں کے ان کانچ گھروں سے مجھ کو باہر رہنے دو

مبہم، پھیکی ہوں ہاں پر اس دِل کی خوشیاں قائم ہیں
مجھ بے کس کے دامن میں یہ آس کے گوہر رہنے دو

صبحِ ازل سے شامِ ابد تک عرشی جس کی راہ تکی
دل کے سب دروازے چوپٹ اُس کی خاطر رہنے دو

غزل

اُن کا حصہ خوب ہے ہر لطف میں رعنائی میں
سطح پر بیٹھے ہیں جو اُترے نہیں گہرائی میں

جو سرِ محفل بہت مضبوط تھے بارعب تھے
خود سے وہ کیا کیا لپٹ کر روئے ہیں تنہائی میں

سب کے سب مِل کر بھی مجھ کو زیر کر سکتے نہ تھے
میرا اپنا ہاتھ شامل ہے مری پسپائی میں

آبروَ چاہے تو محفل میں زباں کو دے لگام
اور رکھ سوچوں پہ تُو پہرہ کڑا تنہائی میں

ڈھانپ کر آنکھوں کو عرشی زندگی کرتے رہے
ورنہ حصہ تو ہمیں وافر ملا بینائی میں

غزل

دُنیا کی نفرتوں سے جھمیلوں سے بے خبر
ہم مدتوں جیئے ہیں تری یاد اوڑھ کر

پلکوں پہ اپنی اشک ہمیشہ ٹکے رہے
جلتے رہے چراغ ہمیشہ منڈیر پر

دیوار و در کو دیکھ کے آنسو اُمڈ پڑے
مدت کے بعد لوٹ کے آئے ہیں اپنے گھر

پھر سامنے کھڑا ہے نیا ایک ابتلا!!
آنچل کو اب بچاؤں کہ عرشؔی بچاؤں سر

آباد تھا یہ گھر تو بڑی رونقیں رہیں
پچھلے برس کی بات ہے دِل ہوگیا کھنڈر

عرشؔی شکستِ دِل کی کوئی انتہا نہیں
ریزوں میں بٹ گیا ہے یہ آئینہ ٹوٹ کر

غزل

آسماں کی وسعتوں، ٹوٹے پروں کی سوچنا
تم سے ہو پائے تو میرے حوصلوں کی سوچنا

سوچ کر لکھے ہُوئے خط کی عبارت سے الگ
جو جلا ڈالے گئے ہیں اُن خطوں کی سوچنا

رنگ جاگ اُٹھتے ہیں ان آنکھوں میں جن کے نام پر
اُن حسیں لوگوں کی مدھم آہٹوں کی سوچنا

کلیوں، کلیوں اُڑنے والی خوبصورت تتلیو!
وقت مل جائے تو آتے پت جھڑوں کی سوچنا

وقت کا ہر نقش چہرے پر اُترتا دیکھنا
خود بخود بے آب ہوتے آئینوں کی سوچنا

اپنے آسودہ گھروں کی کھڑکیوں میں بیٹھ کر
بارشوں کو دیکھنا کچے گھروں کی سوچنا

تلخ باتیں ہر کِسی سے بے دھڑک کہنا نہیں
کانچ پر پتھر پڑے تو کرچیوں کی سوچنا

شہر کی سب رونقوں سے چپچھوں سے بے خبر
بیٹھ کر لہروں کو گننا دائروں کی سوچنا

جسم و جاں پر بے حسی کی زرد چادر اوڑھ کر
یونہی بے مقصد گذرتے موسموں کی سوچنا

یاد آتا ہے، مرا تجھ کو ستانا رات دن
نِت نئی معصوم چنچل شوخیوں کی سوچنا

مجھ کو ہنستے دیکھ کر تم مطمئن ہونا مگر
ہوسکے تو دِل پہ گرتے آنسوؤں کی سوچنا

خوبخود عرشی مہک اُٹھیں گے سارے راستے
تم سدا پھولوں کی، رنگوں، خوشبوؤں کی سوچنا

غزل

اپنی ہی بستی میں ہیں ہم لوگ بے در کِس لئے
زندگی گریۂ کناں ہے یاں کھُلے سر کِس لئے

وہم کیوں ہم پر جھپٹتے ہیں بلاؤں کی طرح
رونقوں میں شہر کی آسیب کا ڈر کِس لیے

زندگی کے کام لوگوں سے نبٹتے ہی نہیں
اس قدر ہم کو فراغت ہے میسر کِس لئے

راستے ہموار ہیں اور پاؤں بھی ننگے نہیں
چبھ رہے پھر میرے تلوؤں میں کنکر کِس لئے

دِل نے تو مُڑ کر کِسی آواز پر دیکھا نہیں
جسم عرشیؔ ہوگیا ہے پھر بھی پتھر کِس لئے

غزل

محبتوں کے یہ موسم نئے نئے ہیں بہت
ابھی تو جان، ان آنکھوں میں رت جگے ہیں بہت

تمہارے مان تمہاری جفا کی خیر رہے
تمہارے چاہنے والوں کے حوصلے ہیں بہت

یہ دھڑکنیں نئے معنی تلاش کرلیں گی
اگرچہ دِل کے فسانے کہے سُنے ہیں بہت

مہک گلاب کی اب کے گھٹی گھٹی سی ہے
چمن میں پھول مگر کاغذی لگے ہیں بہت

یہ بند کمرے اندھیرے، گھُٹن یہ حیرانی
کرن کی آنکھ کھلے گی تو راستے ہیں بہت

لرزتے پتے کی صورت خموش تنہا دِل
کِسی کی یاد کے منہ زور سلسلے ہیں بہت

اُداس اُداس ہے خوشبو بُجھی بجھی محفل
قدم بہار کے اب کے رُکے رُکے ہیں بہت

یہ اور بات کہ دِل میں نہ کھُب سکا کوئی
تری طرح کے ہمیں لوگ تو ملے ہیں بہت

یہی گلہ ہے ہمیں بس یہی شکائیت ہے
کہ دوستوں کے رویّے لیے دیے ہیں بہت

تری خوشی، تری آسودگی ہے پیشِ نظر
جو سچ کہیں تو مری جاں، ہمیں گلے ہیں بہت

یہ رنگ، پھول یہ خوشبو یہ تتلیاں عرشیؔ
جو دِل جواں ہے تو جینے کے سلسلے ہیں بہت

غزل

اجنبی سے بن رہے ہو تم، مگر کس واسطے؟
بات بھی موسم کی وہ بھی مختصر کِس واسطے؟

کیا تمہارے شہر میں بس ایک مجرم ہیں ہمیں
اس قدر الزام آئے اپنے سر کِس واسطے

اب تو لہروں سے شناسائی رہے گی عمر بھر
لکھ گئے تم نام میرا ریت پر کس واسطے

اب کھُلا کہ خود سے بڑھ کر کوئی سچائی نہیں
مدتوں خود سے رہے ہم بے خبر کِس واسطے

میرے پاس آئیں تو عرشؔی چوم کر رکھ لوں انہیں
زرد پتے اُڑ رہے ہیں در بدر کِس واسطے

غزل

منزل کی تھی خبر، نہ پتہ راستوں کا تھا
تھی رات گھُپ اندھیری، سفر جنگلوں کا تھا

وہ تازگی عجیب تھی حیراں کرگئی
موسم تمام شہر میں جب پت جھڑوں کا تھا

رسمی وضع قطع سے تھے آزاد و بے خبر
اک اور رنگ ڈھنگ مگر سر پھروں کا تھا

وہ بیڑیاں وہ قفل و قفس ساتھ لے اُڑا
بے تاب حوصلہ جو شکستہ پروں کا تھا

ملنے سے اور بڑھ گئی اس دِل کی بے کلی
کھویا گیا وہ لُطف کہ جو فاصلوں کا تھا

عرشی ہوا تھی تیز، سمندر چڑھا ہُوا
میں تھی شکستہ ناؤ، سفر پانیوں کا تھا

غزل

لمحہ بہ لمحہ بٹتے ہوئے دائروں میں ہوں
میں تجھ سے دُور جا کے بڑی مشکلوں میں ہُوں

میرا وجود تیرے لئے مشتِ خاک تھا
آنکھوں کو اب نہ مَل میں انہیں آندھیوں میں ہوں

کس کو بھرے گھروں میں ملے گا مرا سُراغ
میں ایک بازگشت ہوں خالی گھروں میں ہوں

میں دن کی روشنی ہوں نہ میں شام کی شفق
اِک آہ نیم شب ہوں فقط رت جگوں میں ہوں

اتنے شکستِ ذات نے چہرے عطا کیئے
اب کیا کہوں میں کون ہوں، کن کرچیوں میں ہُوں

کب سے مرے وجود میں جاری ہے ٹوٹ پھوٹ
اک عمر ہوگئی میں انہیں زلزلوں میں ہوں

عرشی مرے لئے تو یہ اعزاز کم نہیں
ہوں تجھ سے دُور پھر بھی تری محفلوں میں ہوں

غزل

برستی رہتی ہے وحشت سی بام و در سے ترے
گئی ہے جب سے کھنک چوڑیوں کی گھر سے ترے

تجھے یہ ڈر تھا کہ پاؤں نہ بھیگ جائیں ترے
گذر گئے کئی سیلاب اب تو سر سے ترے

تمام عمر ہی بے کار رنجشوں میں کٹی
کہ بن سکی نہ کبھی تیری ہم سفر سے ترے

اُسے کِسی نے کہیں پر بھی بیٹھنے نہ دیا
چلا گیا تھا جو اک شخص اُٹھ کے در سے ترے

کھِلیں گلاب یہاں، تتلیاں کریں شوخی
عجیب سی مجھے وابستگی ہے گھر سے ترے

ڈھلی جو شام بہت مضطرب ہوئے عرشیؔ
کہ منتظر سے تھے کچھ لوگ جو سحر سے ترے

غزل

مجھ کو اپنی ذات سے ناآشنا رکھتا ہے وہ
اپنے میرے درمیاں کچھ فاصلہ رکھتا ہے وہ

کشتیاں ساری جلا بیٹھا ہے میرے سامنے
لوٹ کر جانے کا لیکن حوصلہ رکھتا ہے وہ

سب نئے موسم، نئے دُکھ سُکھ لبھاتے ہیں اُسے
ہر نئی رُت کا زباں پر ذائقہ رکھتا ہے وہ

زندگی کرنا بھی گویا کانچ پر چلنا ہُوا
جسم میں دِل کی جگہ اک آئینہ رکھتا ہے وہ

اُس نے خود مجھ کو تراشا ہے مگر پوجا نہیں
توڑ دینے کا جبھی تو حوصلہ رکھتا ہے وہ

میرے چاروں اور دیواریں مرے قد سے بڑی
اور اپنے واسطے رستہ کھُلا رکھتا ہے وہ

قتل کرنے کی دلیری اُس کے ہر تیور میں ہے
اپنے بٹوے میں ہمیشہ خوں بہا رکھتا ہے وہ

عادتاً خاموش ہی رہتا ہے وہ عرشؔی مگر
بات پر جب بھی کرے لہجہ نیا رکھتا ہے وہ

غزل

بچوں کی طرح روٹھنا، لڑنا بجا نہیں
دن کاٹنے کو مشغلہ لیکن بُرا نہیں

اُن تتلیوں کے رنگ بھی پوروں سے مٹ گئے
پر واپسی کا راستہ ہم کو مِلا نہیں

وہ دن کہ اپنے ہاتھ محبت کا اِسم تھا
اب تو دُعا سلام کا بھی حوصلہ نہیں

میرے بدن سے خون کی حدّت نَچڑ گئی
یا اب تمہارے لمس میں جادو رہا نہیں

لمحے کا زخم، وقت کی صدیاں نہ بھر سکیں
اک سلسلہ ہے درد کا اب تک تھما نہیں

اس دورِ کم نظر میں نوازے کِسے کوئی
سب بن گئے خُدا کوئی بندہ رہا نہیں

عرشی کِسی کو یاد نہ تھیں اپنی نیکیاں
پتھر جبھی تو غار کے مُنہ سے ہٹا نہیں

غزل

تِری وفا، تری رعنائیوں کو کیا کرنا
بُجھی جو آنکھ تو پھر آئینوں کو کیا کرنا

تری خوشی کے لئے حوصلے کی خواہش تھی
تُو جا چکا ہے تو پھر حوصلوں کو کیا کرنا

یہ روز و شب تو کِسی طور کٹ نہیں پاتے
جو تُو نہیں ہے تو پھر فرصتوں کو کیا کرنا

ترے وجود سے دِل کے نگر میں رونق تھی
اُجاڑ شہر کو، خالی گھروں کو کیا کرنا

جو لوٹنا ہے تو اک بار لوٹ آ پیارے
ہمیں اے جان تری آہٹوں کو کیا کرنا

تُو ساتھ تھا تو بُلاتے تھے اجنبی رستے
اب اِن اُداس بُجھے راستوں کو کیا کرنا

وہ لُطف شام کی سیروں کا تیرے ساتھ گیا
میں سوچتی ہوں نئے ’جوگروں‘ کو کیا کرنا

غزل

دِل ہو یا کہ گھر عرشیؔ جب بسانا پڑتا ہے
اک نئے طریقے سے سب سجانا پڑتا ہے
نت نئے تقاضوں سے توڑ پھوڑ ہوتی ہے
کچھ بچاناپڑتا ہے، کچھ گرانا پڑتا ہے
پردے، چادریں، قالیں بد رنگے سے لگتے ہیں
گھر کی ایک اک شئے کو اجلوانا پڑتا ہے
میز، کرسیاں، ٹی وی جگہیں سب بدلتے ہیں
پچھلی طرز کو یکسر بھول جانا پڑتا ہے
سب پُرانے بکسوں کی جھاڑ پونچھ ہوتی ہے
خط، رومال تصویریں سب جلانا پڑتا ہے
رابطے گذشتہ کے بے محل سے لگتے ہیں
بے محل روابط کو بھول جانا پڑتا ہے
آنے والی خوشیوں میں پچھلے غم سسکتے ہیں
کچھ نیا جو پانا ہو کچھ گنوانا پڑتا ہے
پچھلی شوخیاں، غمزے بے اثر سے لگتے ہیں
خود کو خود ہی دوبارہ آزمانا پڑتا ہے
سب کے سب گئے موسم یاد بنتے جاتے ہیں
اور بیچ میں عرشیؔ اک زمانہ پڑتا ہے

غزل

جانے کن لوگوں کو دکھ سکھ کہنا اچھا لگتا ہے
ہم کو تو اک عمر سے چُپ چُپ رہنا اچھا لگتا ہے

کیسے بھی شکوے ہوں جہاں سے، کتنا دِل بھر آیا ہو
تیری چوکھٹ پر اشکوں کا بہنا اچھا لگتا ہے

دھوپ ذرا بھی لگتی تھی تو سر بھاری ہو جاتا تھا
آپ کی خاطر دھوپ کو سر پر سہنا اچھا لگتا ہے

اپنی خوش خلقی کی عرشی دھوم سے ساری دُنیا میں
پر، اک شخص سے روٹھے روٹھے رہنا اچھا لگتا ہے

کپڑے زیور ٹھیک ہیں لیکن مجھکو اتنا کہنے دو
عورت پر تو شرم و حیا کا گہنا اچھا لگتا ہے

غزل

اپنی خالی جیب کا دُکھ اس قدر گہرا نہ تھا
نرخ جب چہرے پہ یوں ہر شخص نے لکھا نہ تھا

اب کے تو لگتا ہے اپنے ہاتھ سے خود بھی گئے
آج سے پہلے کبھی دِل اس قدر تنہا نہ تھا

مجھ کو تاریکی میں رکھنے پر مُصر تھا مستقل
بھید کھُل جانے پہ بھی وہ مجھ سے شرمندہ نہ تھا

مجھ پر برسوں کھُل نہ پائے زندگی کے ذائقے
ایک صفحے پر رہی، اگلا ورق اُلٹا نہ تھا

میری بے پایاں طلب عرشی اُسے چونکا گئی
سچ تو یہ ہے وہ وگرنہ اس قدر مہنگا نہ تھا

قطعہ

بارشوں میں اب کھُلے سر ہیں تو یاد آیا ہمیں
قصر ہم تعمیر کرتے تھے قلم اور حرف سے
گرمیوں کی دوپہر تشنہ لبی اور حسرتیں
ہم نے جاڑوں میں بنائے تھے پیالے برف سے

غزل

تھا کب قریب اور کہاں میرے ساتھ تھا
ہم راہ تھے تو کب یہ گماں میرے ساتھ تھا

یہ بات تب کی ہے کہ دھنک پر تھے جب قدم
وہ دن کہ جب تُو جانِ جہاں میرے ساتھ تھا

کیا کیا رہی ہیں درد کے ماروں کی صحبتیں
جس کو کہیں ملی نہ اماں، میرے ساتھ تھا

تقسیم تھی غلط کہ صحیح، مطمئن تھے ہم
خوشیاں تری طرف تھیں، زیاں میرے ساتھ تھا

کی اپنی خواہشوں کی پرستش تمام عمر
دِل تھا کہ ایک شہرِ بُتاں میرے ساتھ تھا

عرشی مرے نصیب میں تھی پانیوں کی موت
اشکوں کا ایک سیلِ رواں میرے ساتھ تھا

غزل

جو شوخ رنگ تھے آنکھوں میں سب بکھر سے گئے
یا وہ چمکتے ہُوئے خد و خال مر سے گئے

عجیب پل ہیں کہ تصویر بن گئی دُنیا
فضا میں اُڑتے پرندے سبھی ٹھہر سے گئے

وہ دِن بھی کیا تھے کہ جب قربتیں عبادت تھیں
یہ دن بھی کیا ہیں کہ سب خیر خواہ مُکر سے گئے

جھکا کے سر کو بھی جینے کی راہ کوئی نہیں
اُٹھا کے سر کو جو آئے وہ لوگ سر سے گئے

سفر کڑا تھا، مخالف ہوا تھی زوروں پر
تری تلاش میں کیا نکلے بال و پر سے گئے

اُنہیں گمان تھا عرشی گھروں پہ سایۂ ہے
پلٹ کے پھر نہیں آئے جو لوگ گھر سے گئے

غزل

ہمارے دِل میں رہائی کے جب خیال رہے
نظر کے سامنے پھیلے ہزار جال رہے

چلے گئے تو تمہیں دُور تک صدائیں دیں
بچھڑ کے تم سے یہ دیوار و در نڈھال رہے

ہمارا طرزِ تخاطب مگر بدل نہ سکا
اگرچہ گھاس کی صورت بھی پائمال رہے

جو ربط ضبط ہے تُم سے بہت ہی نازک ہے
اس آئینے کی مری جان دیکھ بھال رہے

ملے جو تم تو ردا اوڑھ لی خموشی کی
اگرچہ ذہن سے چسپاں کئی سوال رہے

بھرے نگر میں سبھی سے عداوتیں اپنی
جہاں میں ہم سے بھی کچھ لوگ باکمال رہے

گذشتہ سال بھی عرشیؔ یہی خیال رہا
کہ لوحِ عمر پہ اب اور کتنے سال رہے

غزل

سدا کے واسطے ہر خوف و ڈر چلا جائے
یہ موم جسم جو سورج کے گھر چلا جائے

محبتوں نے وہ چرکے دیئے کہ خواہش ہے
ہمارے ہاتھ سے یہ بھی ہنر چلا جائے

صدائیں دیتے ہیں قدموں کو آشنا رستے
تمہاری راہ سے بچ کر اگر چلا جائے

ہوا میں ریت کے ذرّے بھی ہوگئے شامل
بھلا اسی میں ہے اے چشمِ تر، چلا جائے

یہ مسئلہ ہے کہ ہم راہ کونسی لے لیں
تمہارا شہر اگر چھوڑ کر چلا جائے

مجھے صدائیں نہ دے، جانِ جاں سہارا دے
چلوں نہ اُٹھ کے ترے ساتھ اگر، چلا جائے

کلی کلی پہ خزاں کا ہراس طاری ہے
بہار آئے تو غنچوں کا ڈر، چلا جائے

ہوا کی زد پہ ہے بادل تو خواہشیں کیسی
ہوا جدھر بھی اُڑائے اُدھر چلا جائے

جو خوف دِل پہ ہے طاری تو صرف دُوری کا
تری پناہ میں آ کر یہ ڈر چلا جائے

یہ جنگلوں کے اندھیرے، یہ پیچ و خم عشقی
تُو ہم سفر ہو تو پھر بے خطر، چلا جائے

گیلا رومال

اب کے وہ برکھا برسی ہے
شہر کی ہر اک شئے گیلی ہے
اندر گیلا، باہر گیلا
باطن گیلا، ظاہر گیلا
دیواریں اور در بھی گیلے
گلیاں گیلی، گھر بھی گیلے
آنکھیں گیلی، گال ہیں گیلے
لمحے، ماہ و سال ہیں گیلے
اُس کے طَور ریا سے گیلے
میرے لفظ حیا سے گیلے
جوتے گیلے، کپڑے گیلے
سر کا اک اک بال ہے گیلا
میرا لہجہ، سوچ ہے گیلی
اُسکا قال اور حال ہے گیلا
کیونکر میرے آنسو پونچھے
آج اُسکا رومال ہے گیلا

برف کا آسیب

تیرے گھر کو جانے والے
ہر رستے پر برف جمی تھی
ان راہوں پر چلتے چلتے
میرے پاؤں ٹھٹھر گئے تھے
جسم بھی سُن تھا، ہاتھ بھی شل تھے
پھر بھی اک اُمید کی کوئل
کانوں میں کچھ بول رہی تھی
تیرے نام پہ دِل کی دھڑکن
خون میں حدت گھول رہی تھی
جیسے کہیں سورج کی آہٹ
راہوں کے در کھول رہی تھی
جب میں تیرے گھر تک پہنچی
برف کا دروازہ تھا گھر کا
دیواروں پر برف جمی تھی
یخ بستہ تھے تیرے جذبے برف سے ٹھنڈا تیرا لہجہ
برف کے اس آسیب میں گھِر کر
خون بھی حدت کھو بیٹھا تھا
سورج ٹھنڈا ہو بیٹھا تھا

بدذوقوں کی بھیڑ میں ایک سخن فہم کے ملنے پر

بہت اچھا لگا مجھ کو وہ چہرہ خوشنما چہرہ
بہت بھائیں مرے دِل کو وہ باتیں ریشمی باتیں
کہ برسوں بعد جھانکا ہے کسی نے اس خرابے میں
کہ برسوں بعد اس سُونے نگر میں پھر ہوئی ہلچل
کہ برسوں بعد کھوئی ناؤ نے دیکھا کوئی ساحل
مہک اُٹھی ہے جسم و جان میں سوندھی سی اک خوشبو
کہ پہلی چھینٹ ہے بارش کی وہ اس خشک دھرتی پر
بسر ہوتے رہے ہیں روز و شب اَن چاہے لوگوں میں
تمنا تھی بہت بیٹھوں کبھی من چاہے لوگوں میں
بہت دن بعد کوئی مجھ سے ملنے کو بھی آیا ہے
کِسی نے مجھ کو ڈھونڈا ہے، مجھے مجھ سے ملایا ہے
مجھے جھاڑا ہے پونچھا ہے، مجھے پھر سے سجایا ہے
مِلا جب مجھ سے اپنا پن مرا تو یاد آیا ہے
''مسز راحت'' تو ہوں پر میرا اپنا نام ''عرشی'' ہے

غزل

یہ دِل کہ جسم کے دوزخ کے درمیاں میں رہا
بڑے خلوص سے جلتے ہُوئے مکاں میں رہا

بس ایک خواب کے عالم میں زندگی گذری
عجب سرور سا تا عمر قلب و جاں میں رہا

کِسی کو زندگی کرنے کا ڈھنگ کیا آتا
ہر ایک شخص مری طرح امتحاں میں رہا

ہزار خوف مرے دِل کو گھیرے رکھتے ہیں
ترے قریب یہ جب تک رہا اماں میں رہا

ہر ایک شخص کو مجھ سے شکائتیں ہی رہیں
کچھ ایسا زہر سا عرشی مری زباں میں رہا

غزل

بے حسی کی نیند کو اب کے اُجڑنا چاہیے
جاگتی آنکھوں میں کوئی خواب اترنا چاہیے

روشنی میں زندگی ہے، حُسن ہے، سچائی ہے
روشنی کو شہر میں ہر سُو بکھرنا چاہیے

ان دنوں میں دِل کا بُجھ جانا سراسر ظُلم ہے
ان دنوں تو خواہشوں کا دِل میں میلہ چاہیے

آپ کا کہنا کہ دو بوندیں بہت ہیں پیاس میں
اپنا یہ عالم ہمیں پینے کو دریا چاہیے

ایک لمحے کو اُسے ملنا قیامت ہوگیا
بھولنے کے واسطے اب اک زمانہ چاہیے

عمر بیتی عرشؔی اپنے آپ پر مرتے ہُوئے
اب کِسی کے واسطے کچھ روز جینا چاہیے

غزل

آنکھ میں بہتی ہوئی لاشوں کے منظر رہ گئے
ذہن پر طاری گئے سیلاب کے ڈر رہ گئے

اک قیامت ڈھا گئیں اب کے برس بھی بارشیں
اَن گنت افراد اب کے بھی کھُلے سر رہ گئے

دندناتا خوف گلیوں میں پھرا خنجر بکف
مصلحت اندیش تھے جو گھر کے اندر رہ گئے

راہ کی دُشواریاں مشکوک سی لگنے لگیں
کارواں مر کھپ گئے ہیں صرف راہبر رہ گئے

شور کے، آہٹ کے ہنگامے کے طالب ہیں سبھی
سب کی آنکھوں میں شرر، ہاتھوں میں پتھر رہ گئے

وہ بھی کیا دن تھے کہ چہرے پر دھنک کے رنگ تھے
یہ بھی کیا دن ہیں کہ آنکھوں میں سمندر رہ گئے

اس کھنکتے اعتماد اور حوصلے کی خیر ہو
پتھروں کے شہر میں شیشے کے پیکر رہ گئے

تھا تعاقب تتلیوں کا جو ہمیں مہنگا پڑا
ہم عزیزوں اور پیاروں سے بچھڑ کر رہ گئے

پھول بھی مُرجھا گئے اور رنگ بھی پھیکے ہُوئے
آج ان ہاتھوں میں عرشی صرف پتھر رہ گئے

غزل

ہجر کے کالے دنوں میں سورجوں کو کیا ہُوا
چھوڑیئے اس ذکر کو جو بھی ہُوا اچھا ہُوا

راستوں میں پھول مہکیں یا برستی آگ ہو
ساتھ نہ چھوٹے ہمارا آج وہ رشتہ ہُوا

شہر کے ہر شخص کو تیری شباہت مل گئی
میں نے جس چہرے کو بھی دیکھا ترا چہرا ہُوا

دیکھ تک پائیں نہیں جی بھر کے یہ آنکھیں تجھے
تُو بتا پیارے یہ ملنا بھی کوئی ملنا ہوا

اب ترے لہجے میں پہلی سی نہیں وہ تازگی
ایسا لگتا ہے کہ اک اک حرف ہے سوچا ہُوا

جس برستی بوند کے چہرے کو میرے چھُو لیا
میرے جلتے رُخ کا رشتہ اُس سے وابستہ ہُوا

لوگ کہتے ہیں عجب تاثیر اُس چشمے کی ہے
جس نے جی بھر کر پیا وہ اور بھی پیاسا ہُوا

خوشبوئیں ایسی کہ سر سے پاؤں تک مہکا گئیں
راستے ایسے، دِل اب تک ہے وہیں بھٹکا ہوا

میں نے عرشیؔ اس لئے مُڑ کر اُسے دیکھا نہیں
خوبصورت تھا مگر لگتا تھا اترایا ہُوا

غزل

زباں پہ شہر کے لوگوں کی آگیا ہے یہ
جو سچ کہوں تو بڑا عام واقعہ ہے یہ

جہاں میں کوئی بھی شئے آخری نہیں ہوتی
تو کِس عمل کو کہوں میں کہ انتہا ہے یہ

خوشی غمی بھی ملے تو تری وساطت سے
دیارِ عشق کا دستور ہی رہا ہے یہ

ہزار بار رُت آئی ہے پھول کھلنے کی
پر اب کی بار تو موسم نیا نیا ہے یہ

جو پت جھڑوں میں کھلیں گل تو سوچ لینا تم
کِسی حسیں کِسی معصوم کی دُعا ہے یہ

ہزار درد ہیں اپنے ہزار شکوے ہیں
گلہ ہو ایک تو عرشی کہوں گِلا ہے یہ

غزل

نہ رہ شناس کا، نہ معتبر کا ساتھ رہے
بڑا مزہ ہو جو اُس بے خبر کا ساتھ رہے

ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے کھونے کو
اُٹھا کے سر کو چلیں گے جو سر کا ساتھ رہے

محبتوں کا بہت حوصلہ ہے اس دِل میں
یہی دُعا ہے کہ اس بے ہنر کا ساتھ رہے

چہکتے اُڑتے پرندوں کے سو ٹھکانے ہیں
اگر چمکتے ہُوئے بال و پر کا ساتھ رہے

روش روش کی دُعائیں کہ آندھیاں دم لیں
کلی کلی کی تمنا شجر کا ساتھ رہے

تمام شہر کے طوفان میرے گھر آئیں
بپھرتی موج کا عرشی بھنور کا ساتھ رہے

غزل

یوں گھنے پیڑوں سے عرشی چھن کر نکلی چاندنی
فرش پر بکھری پڑی ہے کرچی کرچی چاندنی

کِس نے پھیلائی تری آہٹ کی خوشبو شہر میں
ہر گلی ہر موڑ پر کِس نے بچھا دی چاندنی

وہ تری قربت کی یادیں دِل منور کر گئیں
جسم و جاں پر چھا گئی کیسی انوکھی چاندنی

تجھ سے ملنے کی خوشی مجھ سے سوا کِس شخص کو
اس طرح پھیلا کے بانہیں کِس سے لپٹی چاندنی

دیکھنے والوں کی آنکھوں میں وہ منظر نقش ہے
یوں شبِ تاریک کی بانہوں میں اُتری چاندنی

چاند تاروں سے بُنی پوشاک لہراتی ہوئی
دھیرے دھیرے رات کے زینے سے اُتری چاندنی

ان گنت موسم گئے، تاریکیاں نہ جا سکیں
اک زرا سی بات پر یوں مجھ سے روٹھی چاندنی

بال بکھرے زرد چہرہ بہکے بہکے سے قدم
جانے کس کو ڈھونڈتی ہے کھوئی کھوئی چاندنی

پیار میں بھیگے پرندوں کو دُعا دیتی ہُوئی
شہر میں اُڑتی پھری ہے گیت گاتی چاندنی

یہ ادا یہ سادگی یہ مان یہ معصومیت
چاند بھی میرا ہے عرشیؔ اور میری چاندنی

غزل

کھوئی کھوئی، تنہا تنہا اور بے معنی لگی
ایک لڑکی شہر میں تجھ بن ادھوری سی لگی

تیرے لہجے میں ہمیشہ سے وہی ٹھہراؤ تھا
گفتگو تیری ہمیشہ کی طرح سوچی لگی

لاکھ کوشش پر بھی تجھ سے متفق نہ ہوسکے
اختلاف اپنی جگہ ہے بات پر اچھی لگی

پیار کے رشتے کا پیارے والہانہ پن نہ پوچھ
بیل نازک سی تناور پیڑ سے لپٹی لگی

رنگ جاگ اُٹھے نگاہوں میں ہنسی کے ساتھ ساتھ
مسکرا کر جب ملی عرشی بہت اچھی لگی

غزل

میں نے بھی تیری بات کو دِل سے کھرچ دیا
تُو بھی معاف کردے مری جاں کہا سُنا

اس بار تیرے لہجے کی ٹھنڈک نئی سی تھی
جو لفظ تیرے ہونٹ تک آیا ٹھٹھر گیا

پتھر دلوں کے ساتھ نبھانا پڑا ہمیں
نازک بہت مزاج تھا دِل بھی بہت دُکھا

مشکل مری یہ ہے کہ اذیت پسند ہُوں
میں خود کو اپنے ہاتھ سے دیتی رہی سزا

عرشؔی مجھے یقین ہے اب تک خفا ہے وہ
جاتے ہُوئے بھی مجھ سے وہ مِل کر نہیں گیا

غزل

یہ چہچہاتے پرندے اگر دُعا مانگیں
مجھے یقین ہے ہر شخص کا بھلا مانگیں

لحاف اوڑھ کے راتوں کو پھول سے بچے
یہ سوچتے ہیں کہ ہم آج کیا دُعا مانگیں

لئے دیئے سے روّیے تو بوجھ ہیں دِل پر
کِسی سے ربط جو رکھیں تو انتہا مانگیں

تمہارا زعم تو دیکھا ہے ظرف بھی دیکھیں
گئے دنوں سے ہم اس مرتبہ سوا مانگیں

کِسی کی حوصلہ مندی کی آزمائش ہے
ہم آج جبرِ مسلسل کی انتہا مانگیں

خود اپنے چہروں سے اُکتا کے بھی ہے خوش فہمی
کہ لوگ شہر کے آئینہ دوسرا مانگیں

طویل راہ پہ چل دیں کہ انتظار کریں
ہم اتنی بھیڑ میں کِس کِس سے راستہ مانگیں

ہمارا حُسنِ طلب بھی عجیب ہے عرشیؔ
کہ تم سے تم کو نہ مانگیں تو اور کیا مانگیں

غزل

زلزلے کے بعد کا تو یہ کہیں منظر نہیں
ایک دروازہ ہے جس کے ساتھ کوئی گھر نہیں

مجھ سے کٹ کر بھی مکمل ہی رہا تیرا وجود
میں کہانی کا اضافہ تو ہوں، پس منظر نہیں

راستے جانے کے تجھ کو ان گنت مل جائیں گے
لوٹ کر آنے کا لیکن دِل میں کوئی در نہیں

فائلوں سے جب ملی فرصت تو ڈائل کر دیا
دو دلوں کا ربط ہے یہ فون کا نمبر نہیں

وہ رہیں محتاط جن کے پاس کچھ کھونے کو ہے
میرے دونوں ہاتھ خالی مجھ کو کوئی ڈر نہیں

اس کے چھوٹا یا بڑا ہونے کا کوئی ذکر کیا
کھول تو آنکھیں کہ عرشیؔ یہ تری چادر نہیں

غزل

اُس کی ہستی سے جُدا میرا کوئی پیکر نہ تھا
بند تھی میں ایسے گنبد میں کہ جس کا در نہ تھا

خود بخود تو آئینے کرچی سبھی ہوتے نہیں
وہ بضد ہے اُس کے ہاتھوں میں کوئی پتھر نہ تھا

سب کی آنکھوں سے چھلکتی ہے ندامت کی نمی
سنگ برسائے گئے جس پر وہ دامن تر نہ تھا

کھول کر صندوق کی تہہ آج جب پرکھا اُسے
عام سا پتھر تھا وہ، ہیرا نہ تھا، گوہر نہ تھا

جس کی آرائش کی خاطر خود کو مٹی کرلیا
آج مجھ پر یہ کھُلا عرشی وہ میرا گھر نہ تھا

غزل

قرب میں سہما رہا دِل دوریوں کے خوف سے
پھول اب بوتے نہیں ہم پت جھڑوں کے خوف سے

دھاڑتا پھرتا ہے اب تو ہر گلی کوچے میں خوف
جنگلوں میں آ بسے ہیں ہم گھروں کے خوف سے

دھیمے دھیمے بولنے پر سازشوں کا تھا گماں
شور سب کرتے رہے سرگوشیوں کے خوف سے

اپنی اپنی صورتوں سے ڈر رہے تھے سب کے سب
کر لیے تبدیل چہرے آئینوں کے خوف سے

جاگتی آنکھوں سے کاٹی ہیں کئی راتیں مگر
کانپ اُٹھتا ہے دِل اب تو رت جگوں کے خوف سے

بوجھ طاقت سے سوا انسان پر پڑتا نہیں
مضطرب ہوں پگلے دِل کے حوصلوں کے خوف سے

نہ محبت ہے نہ چاہت ہے نہ خواہش ہے نہ شوق
لوگ ملتے ہیں مگر تنہائیوں کے خوف سے

دُشمنوں سے تو نبٹ لینا کوئی مشکل نہ تھا
ہم چھپے بیٹھے ہیں عرشؔی دوستوں کے خوف سے

غزل

ملے ہوؤں کو بھی عرشیؔ بچھڑ ہی جانا تھا
کہ یہ بہار کا جھونکا گذر ہی جانا تھا

میں دِل کی شاخ سے ٹوٹا ہوا وہ پتّہ تھا
ہوا کے ساتھ جِسے در بدر ہی جانا تھا

تری نگاہ کی بے گانگی ہی کافی تھی
یہ کیا ضرور کہ منہ پھیر کر ہی جانا تھا

خود اپنی کھوج میں ہم نے گذار دیں عمریں
پُرانے لوگوں نے اس کو ہنر ہی جانا تھا

کِسی کے نام پہ مرنے کی چاہ تھی ہم کو
کہ ایک روز تو ویسے بھی مر ہی جانا تھا

یہی ہے خوب کہ رستے جُدا ہُوئے اپنے
کہیں تو ویسے بھی اُس کو ٹھہر ہی جانا تھا

ہم اُس کو آنکھ میں عرشیؔ چھپا کے رکھ لیتے
مگر وہ خواب تھا اُس کو بکھر ہی جانا تھا

سمجھوتہ

میرے پیارے
مجھ کو یہ تسلیم ہے میں نے
تیری سنگت میں جینے کے خواب بُنے تھے
پر تیری پرچھائیں بن کر
ایسے جینا کب چاہا تھا
اتنے سارے جیون کے دن
لرزاں، ترساں چُپ چُپ گذرے
تیرے تیور دیکھ کے اپنا ہنسنا، رونا، باتیں کرنا
کرتے کرتے چُپ ہو جانا
دِل کی باتیں دِل میں رکھ کر گم سُم رہنا
سب کچھ بھول کے پھر کِھل جانا
تُو روٹھے تو تجھے منانا، تیرے ناز اُٹھانا
تجھکو خوش کرنے کی کوشش کرتے کرتے تھکتے جانا
تُو جس شخص سے ملنا چاہے اُس سے ملنا
تُو چاہے تو مرجھا جانا
تو چاہے تو پھول سا کِھلنا
یہ اور ایسی لاکھوں باتیں کتنی بوجھل لگتی ہیں
جی کرتا ہے پنجوں کے بل چلنا چھوڑ دوں
خوف کی یہ زنجیریں توڑ دوں

پیر زمیں پر جب بھی رکھوں، جم کر رکھوں
خودداری کا میٹھا پانی اک دو گھونٹ سہی پر چکھوں
اک دو پل تو جی کر دیکھوں، اک دو زخم تو سی کر
دیکھوں
ایک دفعہ تو لہجہ بدلوں، ایک دفعہ تو تجھ سے کہہ دوں
جاناں یہ سمجھوتہ کب تک؟

ایک خواہش

اتنے سارے ملنے والے
اتنے دوست احباب ہیں میرے
ان چاہے اور من چاہے لوگوں سے ملنا رہتا ہے
ایک ہی سب میں بات ہے سانجھی
ان سب سے ہنس ہنس کر ملنا پڑتا ہے
اپنے رسمی چہرے پر دِل اندر اندر کڑھتا ہے
میرے مالک، میرے خالق
تُو مجھ سے یہ سب کچھ لے لے
مجھ کو بس اک اپنا دے دے
جس کے کاندھے پر سر رکھ کر
جتنا جی میں آئے رولوں

غزل

حوصلہ کرکے یہ اک کام بھی کرجانا ہے
اس دفعہ میں نے ترے سامنے مرجانا ہے
ڈوب جانے کا ارادہ ہے نہ جانے کیا ہو
باندھ کر خود کو سمندر میں اُتر جانا ہے
ضبط کرر کھے ہیں آنسو تو غنیمت ہے بہت
تجھ سے ملتے ہی مگر میں نے بکھر جانا ہے
خود کو با حوصلہ سمجھوں کہ مدّبر جانوں
تیرے آگے تو ہر اک خول اُتر جانا ہے
شک کروں تجھ پہ تو کافر ہوں یقیں ہے مجھ کو
تُو نے پہلے کی طرح کہہ کے مُکر جانا ہے
کیوں نہ میں آج سے ہی ترک تعلق کر لوں
کل یہ الزام وگرنہ ترے سرجانا ہے
کیا سفر پیشِ نظر تھا مجھے کچھ یاد نہیں
اب تو بس ایک ہی خواہش ہے کہ گھر جانا ہے
منتظر ان کا کہیں کوئی تو ہو گا آخر
ڈھل گئی شام پرندوں کو بھی گھر جانا ہے
زندگی لاڈ کِسی کے نہیں کرتی عرشیؔ
ریل کو آکے ٹھہرنا ہے گذر جانا ہے

غزل

بے رُخی کیسی ہے یہ، کاہے کو انجان بنو
کبھی آؤ، کبھی بیٹھو، میرے مہمان بنو

دل تمہاری ہی قلمرو تھا سو اب تک ہے وہی
روزِ اوّل کی طرح جان، مری جان بنو

میں کہاں تک کہوں اک اک سے کہ تم میرے ہو
نام دے دو مجھے اپنا مری پہچان بنو

زندگی نام ہے جینے کا، تو بھرپور جیو
باد صر صر نہیں بنتے ہو تو طوفان بنو

کیوں تمہیں ضِد ہے محبت کی زباں میں الفاظ
میرا چہرہ تو پڑھو اتنے نہ نادان بنو

جس نے بن مانگے دیئے ہیں سر و سامان تمہیں
اُس کی خاطر بھی کبھی بے سر و سامان بنو

جان یا رزق ہو، مالک کی عطا ہے عرشیؔ
اُس کو کیوں بھول کے غیروں کے ثنا خوان بنو

دو ہاتھوں کا المیہ

دینے والا ہاتھ سدا اونچا رہتا ہے
دینے والے ہاتھ کی نفرت اور رعونت
لینے والے ہاتھ کو جھیلنی پڑتی ہے
بیلنے اندر عزت بیلنی پڑتی ہے
میرے ربّا
دینے والے ہاتھ کو تُو نے اتنا سب کچھ بخشا ہے
دینے والا دِل بھی دے دے
وسعت دے دے نرمی دے دے
اپنے قرب کی گرمی دے دے

قد

پیاری ماں
اس ننھی معصوم پری کو گود میں لے کر مُنہ نہ بنا
روشنی اور ہوا سے اس کو اپنا حصہ لینے دے
اس کے واسطے دور دیس کے شہزادے کے
خواب نہ دیکھ
اس کو ایسے گھر میں بیاہنا
جہاں پہ اس کا اپنا قد بھی
گھر والوں کے قد جتنا ہو

غزل

مسکراتی آنکھ میں تم نے نمی دیکھی نہیں
بے وجہ بے بات اتنی بھی ہنسی اچھی نہیں

راستے کیسے ہیں رُت کیسی ہے کیسے لوگ ہیں
گھر سے یوں نکلے کہ کوئی بات بھی سوچی نہیں

اُس کا دل دھڑکا نہیں اب تک کسی کے نام پر
شبنمیں قطرے پہ سورج کی کرن مچلی نہیں

تتلیوں اور موسموں کا ساتھ کتنی دُور تک
پھول کھلنے کی رُتوں سے دوستی اچھی نہیں

جو کیا محسوس جو سوچا وہ عرشی لکھ دیا
سادہ لوح تھے ہم لگی لپٹی کوئی رکھی نہیں

غزل

پہلے یقیں تھا رونقِ بزم جہاں ہیں ہم
اب خود کو ڈھونڈتے ہیں کہ آخر کہاں ہیں ہم

کچھ بھی نہیں ہے مول ہمارا یہاں وہاں
اک دِل شکستہ شخص کی آہ و فغاں ہیں ہم

ہم پر تو آج تک یہ معّمہ نہ کھل سکا
آتے ہیں کِس لئے یہاں جاتے کہاں ہیں ہم

اک دو گھڑی کی بھی ہمیں فرصت نہ مل سکی
ریلے میں، بھیڑ بھاڑ میں ہر پل رواں ہیں ہم

میلہ سا ایک اپنے ہی اندر بپا رہا
باہر کے موسموں میں رہے ہی کہاں ہیں ہم

اپنا کوئی بھی تیر ہدف تک نہ جاسکا
ڈھیلی ہے اپنی تانت شکستہ کماں ہیں ہم

کچھ اس طرح سے آکے یہاں منہمک ہُوئے
عرشی رہا نہ یاد فقط مہماں ہیں ہم

غزل

تو نے عرشیؔ آج تک جینے کا گُر سیکھا نہیں
بے وجہ سچ بولنا ہر بات میں اچھا نہیں

شہر کے سب راستوں پر اجنبی سی بھیڑ تھی
گھر سے جو اک بار نکلا لوٹ کر آیا نہیں

دِل کے آئینے میں بال آیا ذرا سی بات پر
چل دیا یکدم وہ اُٹھ کر میں نے بھی روکا نہیں

میرے بچے، میرا شوہر، میرا گھر، سکھیاں مری
دفعتاً مجھ پر کھُلا کچھ بھی مرا اپنا نہیں

غزل

مان لے عرشیؔ کہ وہ سودائی بھی رسوا بھی ہے
جو بھی ہے جیسا بھی ہے وہ شخص پر اپنا بھی ہے

صبر و ہمت چاہیے اُس سے نبھانے کے لیے
ملتفت بھی وہ بہت ہے اور بے پروا بھی ہے

آج سب لوگوں کے چہرے ایک جیسے ہوگئے
یہ گماں ہوتا ہے ان سب کو کہیں دیکھا بھی ہے

زندگی جس طور بیتے اس کا کوئی غم نہیں
فکر بس اپنے ہی دِل کی ہے کہ یہ زندہ بھی ہے؟

سو حجابوں میں کہیں مستور ہے اپنا خُدا
ڈھونڈنے نکلا ہے جب انساں اسے بھٹکا بھی ہے

ہم تو جب جانیں کہ تُو کرلے ہمیں اپنا اسیر
تیرے جادو کا مری جاں شہر میں چرچا بھی ہے

غزل

سب اقرار و انکار بے فائدہ ہیں
یہاں دُکھ کے اظہار بے فائدہ ہیں

جو خبریں ہیں گلیوں میں بکھری پڑی ہیں
یہ سب تازہ اخبار بے فائدہ ہیں

چلو مال و زر سے بھریں لاکروں کو
شرافت کے انبار بے فائدہ ہیں

سبق کس کو سچائی کا دے رہے ہو
یہ فرسودہ معیار بے فائدہ ہیں

جہاں میں ہے قانون طاقت کا رائج
کتابوں کے انبار بے فائدہ ہیں

غزل

منتظر اُس شہر میں عرشؔی مرا کوئی نہیں
اب کِسی گھر کی منڈیروں پر دیا کوئی نہیں

ایک دو چہروں میں ہلکی سی شباہت تھی مگر
اس نگر میں اُس طرح کا دوسرا کوئی نہیں

سب کے لب خاموش ہیں سب کی نگاہوں میں سوال
زد میں سب آسیب کی ہیں بولتا کوئی نہیں

ہاتھ ہیں اک دوسرے کے سامنے پھیلے ہوئے
جس طرح سے آسمانوں پر خُدا کوئی نہیں

سب کے ہاتھوں میں ہیں پتھر سب کی آنکھوں میں شرر
کررہے ہیں کیا؟ یہ رُک کر سوچتا کوئی نہیں

خود کو پانے کی طلب میں مل گیا تیرا سُراغ
تُو ہی تُو ہے اب یہاں تیرے سوا کوئی نہیں

سب کے سب ہیں ایک سی زنجیر میں جکڑے ہوئے
خواہشوں کی قید سے عرشؔی رہا کوئی نہیں

کھوج میں تیری جو نکلا اُس نے خود کو کھودیا
اس نگر سے لوٹنے کا راستہ کوئی نہیں

غزل

حسین چہرہ سحر کی دُعاؤں جیسا ہے
مزاج اُسکا مگر دھوپ چھاؤں جیسا ہے

سمجھ کے ہم نے تو انسان اُس کو چاہا تھا
خُدا گواہ، مگر وہ خداؤں جیسا ہے

یہ پُرسکون سی بستی یہ سیدھے سادھے لوگ
یہ تیرا شہر عجب ہے کہ گاؤں جیسا ہے

کھلے ہیں پھول کی مانند ہونٹ زخموں کے
بدن ہوا کا مہکتی رداؤں جیسا ہے

مری خطا پہ عرشی وہ ہاتھ اُٹھ نہ سکا
مزاج میرے خُدا کا بھی ماؤں جیسا ہے

غزل

کچھ اُس میں تھا خوابوں سا کچھ میں نے بنایا بھی
خود اُس کو سنوارا بھی، خود اُس کو سراہا بھی

وہ عام سا اک انساں لوگوں بھری بستی کا
میں نے اُسے سوچا بھی خود اُس کو تراشا بھی

میں نے اُسے سوچا بھی میں نے اُسے ڈھونڈا بھی
میں نے اُسے چاہا بھی میں نے اُسے پوجا بھی

شائد کبھی یاد آئے کیا کھویا ہے کیا پایا
اس بارے میں کچھ میں نے اب تک نہیں سوچا بھی

ہے ذات مری برحق یہ ہے مری سچائی
مجھ میں ہی مرا گلشن مجھ میں مرا صحرا بھی

طالب بھی میں خود عرشی مطلوب بھی خود عرشی
اس بار کیا میں نے یہ ایک تجربہ بھی

غزل

دلوں کے زخم بگڑتے گئے سنور نہ سکے
جو گھاؤ چاند کے دِل میں لگے تھے بھر نہ سکے

کِسی کی یاد نے یوں جسم و جان کو جکڑا
کہ ٹوٹ ٹوٹ گئے ہم مگر بکھر نہ سکے

دِل و نظر پہ عجب بے حسی سی طاری ہے
کہ کھُل کے جی نہ سکے اور گھٹ کے مر نہ سکے

بڑی عجیب تھیں یہ گردشیں زمانے کی
ترے قریب گھڑی بھر کو ہم ٹھہر نہ سکے

تمہارے قرب میں کیا خاک وہ جیئے ہوں گے
بچھڑ کے آپ سے عرشیؔ جو لوگ مر نہ سکے

غزل

محبتوں کا وہ منہ زور سلسلہ نہ ملا
وہ ایکی بار ملا بھی تو بارہا نہ ملا

مجھے گماں تھا مری بات وہ سمجھ لے گا
وہ اپنے درد کے جادو سے پر رہا نہ ملا

نہ بند باندھ مرے لہر لہر جذبوں پر
گلے سڑے گی روانی جو راستہ نہ ملا

وہی گِلے وہی شکوے وہی مسائل ہیں
کِسی سے مل کے بھی احساس کچھ نیا نہ ملا

ترے وجود نے آنکھوں میں روشنی بھردی
بھرے نگر میں کوئی تجھ سا دوسرا نہ ملا

یہی بہت ہے کہ میرا خیال رکھتے ہو
تمہارے قرب کا کیا ہے ملا، ملا نہ ملا

نہ سرد راکھ میں شعلے تلاش کر عرشیؔ
جو وقت بیت گیا اُس کا کچھ پتہ نہ ملا

غزل

میرے دکھڑے سُن کر تُو بھی دل کا حال کہے تو جانوں
دُکھ سکھ کی ہر رُت میں پیارے میرے ساتھ رہے تو جانوں

میرا ہنستا چہرہ دیکھ کے ہنسنے والے لاکھوں ہیں
کِسی چمکتے گال پہ میرے دِل کا درد بہے تو جانوں

سُولی چڑھنا کھیل نہیں یہ قصے ہیں جو بیت چکے
اب چھوٹا سا زخم بھی کوئی حق کی خاطر سہے تو جانوں

قطعہ

بند برسوں کے در تھے باز ہُوئے
ہم کہ سردے کے سرفراز ہوئے
میرے مولا تیری محبت میں !!
ہر محبت سے بے نیاز ہوئے

غزل

چاؤ سے آدم کو بنایا، رب نے سب کچھ وار دیا
دُنیا کی پھر تپتی ریت پہ ننگے پیر اُتار دیا

اپنے اپنے ظرف کا قصہ ایک نظر کی جنبش نے
اک دِل کو بے چینی بخشی ایک کو صبر و قرار دیا

لہریں بے کل کرنے والے تو ہی جانے تیری مرضی
اک کو بیچ بھنور میں چھوڑا اک کو پار اُتار دیا

کھیل ہیں سارے قسمت کے کل رات کی اندھی بارش نے
کچھ پیڑوں کو جڑ سے اُکھاڑا کچھ کا روپ نکھار دیا

سارا جیون ساری چاہت وقف تمہارے نام کروں
سر کو اٹھا کر جینے کا مجھے تم نے ہی پندار دیا

تیرے پیار میں جو سکھ پایا اُس کی وضاحت مشکل ہے
اور کم ہی بتلا پائیں گے تُو نے جو آزار دیا

جان تمہارے لوٹ کے آنے میں تو بہت دن باقی ہیں
ہم نے گھر کا کونہ کونہ سو سو بار سنوار دیا

تجھکو دیکھا، تجھکو سوچا، تجھکو چاہا، تجھکو پوجا
میں خود کیا ہوں یہ مت پوچھ کہ خود کو میں نے مار دیا

سُرخ و سفید چمکتے چہرے عرشیؔ کتنے روشن ہیں
ماں نے اپنا سارا جوبن ان بچوں پر وار دیا

لُکن مِٹی

ہم نے بچپن میں گھر کے دروازوں دیواروں کے پیچھے
پیڑ کے اوپر، میز کے نیچے
شام سویرے لکن مِٹی کھیلی ہے
دبے دبے قدموں سے چل کر
میں پیڑوں میں چھُپ جاتی تھی
سب ہم جولی میرے گھر میں اک طوفان اُٹھا دیتے تھے
گھر کے ہر کونے کھدرے میں
میری ڈھونڈ مچا دیتے تھے
آخر میں خود شور مچا کر سب کو حیراں کر دیتی تھی
یہ جیون بھی لُکن مِٹی
جگ کی بھول بھلیوں میں
ہر پل ہر ساعت ہم پیارے
اک دوجے کو ڈھونڈ رہے ہیں
میں اپنی باری پر تم کو آخر ڈھونڈ لیا کرتی ہوں
لیکن اس بے ساختہ جیتے جاگتے کھیل میں
تم گڑ بڑ کر دیتے ہو
جب میں روٹھ کے چھپتی ہوں
تو تم خود بھی چھُپ جاتے ہو
کتنی جان جلاتے ہو

سادہ ورق

آنے والے سارے کل
سادہ ورق
جانے ان پر کیا لکھے گا
وقت کا دستِ رواں

☆☆☆☆

رشتہ

تو مسیحا ہے، میں شکستہ دِل
میرا رشتہ ہے تجھ سے زخموں کا
اور دو حرف کی تسلی کا
ایسے رشتے کے طول کی خاطر
درد تو جھیلنا ہی پڑتا ہے
زخم کو چھیلنا ہی پڑتا ہے

میرا رب کتنا منصف ہے

میرے سارے ملنے والے
ناک کی سیدھ میں دوڑ رہے ہیں
آگے بڑھنے کی اس دوڑ میں
میں خود بھی شامل ہوں لیکن
پیچھے دیکھ کے سوچتی ہوں
میرا رب کتنا منصف ہے
خوشحالوں سے
اپنے حالوں خوش رہنے کی نعمت لے لے
اُن کو پیاس کا صحرا دے دے
لیکن جس کو غربت دے
چھوٹے موٹے دُکھ سُکھ میں بھی
اُسکو صبر و قناعت بخشے
اپنے حالوں خوش رہنے کی نعمت بخشے
ناک کی سیدھ میں دوڑنے والے یہ کیا جانیں

غزل

اک تو تھا جو بچھڑ کے دوبارہ نہیں ملا
ورنہ ہمیں جہان میں کیا کیا نہیں ملا

اب ہم خُدا بنے ہیں تو بندوں کا قحط ہے
جب بندگی کا شوق تھا مولا نہیں ملا

اس گھر میں جیسے کوئی میرا منتظر نہ تھا
کوئی دیا منڈیر پہ جلتا نہیں ملا

☆☆☆☆

غزل

وجہ سمجھ میں تو آئی مگر نہ ظاہر کی
کہ دشت دیکھ کے کیوں یاد آگئی گھر کی

کہاں وہ دِن کہ ہر ایک شخص سے تری باتیں
کہاں یہ دِن کہ زباں ہوگئی ہے پتھر کی

تُو اپنے درد کی دُنیا میں گم رہی عرشیؔ
خبر ہُوئی نہ کبھی تجھکو گھر سے باہر کی

غزل

سولی گڑی تھی شہر کے ہر اک مکان پر
قائم نہ رہ سکا کوئی اپنے بیان پر

آندھی چلی تو پیڑ ہی جڑ سے اُکھڑ گیا
ہم مطمئن تھے بیٹھ کے اونچی مچان پر

کِس نے چڑھا دیا ہے زہر میں بُجھا ہوا
لمحے کا تیر وقت کی ترچھی کمان پر

تُو نے بدل لیا ہے بیاں خیر ہو تری
ہم کو اعتبار تھا تیری زبان پر

ہم زرد موسموں کی ردا سر پہ اوڑھ کر
بیٹھے رہے خیال کے اک سائبان پر

قطعہ

بشکلِ آب میں ڈھلوان کی طرف دوڑوں
خیال و خواب کی ہر راہ اُس طرف موڑوں
بہت دنوں سے یہی اپنا مشغلہ ٹھہرا
میں اس کی یاد بچھاؤں کبھی، کبھی اوڑھوں

تصویر

اک تصویر، پُرانی البم کے کونے میں
بے حس اور خاموش پڑی تھی
برسوں سے مدہوش پڑی تھی
اُس پر کتنی اور کتابیں
ڈھیر کی صورت میں رکھی تھیں
آج نہ جانے کیسی ہلچل
اُسکو حرکت میں لے آئی
البم سے باہر جھانکا
اور مرے ہاتھوں تک آئی
اُس کا چہرہ کہتا ہے مجھ کو پہچانو
وقت کی میلی چادر سے مت مجھ کو ڈھانکو
مجھکو دیکھو، مجھ کو جانو
اُس کے لب کچھ سرگوشی سی کرتے ہیں
اُس کی آنکھیں جانے کیا کیا پوچھ رہی ہیں
جانے کیا کیا کھوج رہی ہیں
میرے چاروں جانب میرے اپنے سُکھ ہیں، اپنے دکھ ہیں
گھر کی ساری دیواروں پر
رنگ برنگی، شوخ اور چنچل تصویروں کا میلہ ہے
جیون بڑھتا رہنے والا ریلا ہے

عرشیؔ یہ تصویر پُرانی البم ہی میں
دفن رہے تو اچھا ہے
اس پر بیتے وقت کا میلا کفن رہے تو اچھا ہے
یا تو اس کو پھاڑ و، البم چاک کرو
یا اس کمرے کا دروازہ لاک کرو

☆☆☆☆

ایک کیفیت

دِل پر ہاتھ پڑے جو میرا
کھینچ کے میں مٹھی میں بھر لوں
پھر اپنے نوکیلے ناخن اس میں گاڑوں
قطرہ قطرہ کر کے درد ٹپکتا دیکھوں

تنہائی

پہلے بھی میں تنہا تھی، گُم سُم اور اکیلی تھی
اپنے لئے پہیلی تھی
اب بھی تنہا تنہا ہُوں، اکثر سوچا کرتی ہوں
کِس ماتھے کی بندیا ہُوں
میں کِس کی مجبوری ہوُں
کِس کے لئے ضروری ہوں
موسم بدلے، چہرے بدلے
میرے ہاتھ کی ریکھا بدلی
قسمت کے سب تارے بدلے
اپنے بدلے، پیارے بدلے
نہ بدلی تنہائی اپنی
تجھ سے دُور بھی تنہا تنہا
تجھ کو پا کر اور بھی تنہا

وقت کی تسبیح

وقت مرے ہاتھوں میں اک تسبیح کی صورت
لمحے دانوں کی صورت میں گرتے ہیں
اس تسبیح کو توڑے کون
روز و شب کو چھوڑے کون
دُنیا سے مُنہ موڑے کون

قبر میں میلہ

سارا جیون تنہا کاٹا
ساری شامیں تنہا گذریں
ماں کے پیٹ میں بھی تنہا تھی
اب دھرتی کے پیٹ میں تنہا
اکثر سوچا کرتی ہوں
جانے اب کب جنگ چھڑے گی
جانے کب بھونچال آئیں گے
جب اک بڑے گڑھے میں
ڈھیروں مُردے گاڑے جائیں گے

مردے کب باتیں کرتے ہیں

یوں زندہ ہیں، کیوں زندہ ہیں
اپنی اپنی قبر میں ہم سب، کب سے تنہا لیٹے ہیں
یکدم خواہش سی ہوتی ہے
ہمسائے کی قبر پر عرشی دھیرے دھیرے دستک دوں
پوچھوں، کون ہو، کیسے ہو تم
شاید وہ دو باتیں کرے
باتیں کرنے سے پہلے شائد کھنکارے
یہ بھی ممکن ہے کہ کہہ دے
شش شش چُپ چُپ
مُردے کب باتیں کرتے ہیں

ڈپریشن

پہلے میں نے چہرہ دھویا اور سمجھا یہ دُھل جائے گی
بال بناتے وقت بھی سوچا، گرد کی صورت جھڑ جائے گی
کپڑے بدلے اور یہ سمجھا مجھ سے دور نکل جائے گی
مجھے یقین تھا باہر ہے یہ، گر جائے گی جھڑ جائے گی
میک اپ تھوپا، گہنے لادے
ہائی ہیل کے جوتے پہنے
پرس کو کاندھے پر لٹکایا، مُڑ کر پھر شیشے میں دیکھا
چونک گئی میں کانپ گئی میں
وہیں اڑی تھی، وہیں کھڑی تھی
میرے چہرے پر چپکی تھی
میرے بالوں سے لپٹی تھی
میری آنکھوں میں بیٹھی تھی
مجھ سے باہر جھانک رہی تھی
کود رہی تھی ناچ رہی تھی
وہ تھی اُس کا چنچل پن تھا
میں تھی اور پھیلا کا جل تھا

فرض

تُو تناور پیڑ ہے
تجھ پر بہت کچھ فرض ہے
پھول و پھل گر دے نہیں سکتا نہ دے
چھاؤں تو دے
قبل اس کے کوئی آندھی، تیری شاخیں توڑ دے
یا کوئی سیلابِ تُند
تیری جڑ کو کھوکھلا کر دے، گرا ڈالے تجھے
اپنی چھاؤں بانٹ دے
اپنے ثمر کو بانٹ دے
قبل اس کے کوئی آندھی، تیری بانہیں کاٹ دے

مستقبل پر کِس کا بس ہے

جب میں ننھی مُنی سی تھی، ماں سے پوچھا کرتی تھی
کیا میں سُندر پھول بنوں گی، دُنیا میرے ہاتھ میں ہو گی؟
دھیرے دھیرے ماں کہتی تھی
جو ہونا ہے جان سو ہو گا،
مستقبل پر کِس کا بس ہے، مستقبل کو کِس نے دیکھا
بچپن بیتا موسم بدلے، آنکھوں میں سپنے لہرائے
میں نے بھی اس عمر میں عرشی، پھول چنے کچھ محل بنائے
اپنے شہزادے سے پوچھا، آگے اب کیا باتیں ہوں گی
وقت کی جھولی خالی ہو گی یا اس میں سوغاتیں ہوں گی
قوس وقزح جیسے دن ہوں گے یا پاگل برساتیں ہوں گی
تب وہ شہزادہ یہ بولا
جو ہونا ہے جان سو ہو گا
مستقبل پر کِس کا بس ہے، مستقبل کو کِس نے دیکھا
پھر وہ سُندر دن بھی آئے، ممتا کے بادل لہرائے
ننھی مُنی سی دو پریاں، میرے گھر آنگن میں اُتریں
میری گود میں بیٹھ کے دونوں، بھولے پن سے پوچھ رہی تھیں
کیا وہ سُندر پھول بنیں گی، دُنیا اُن کے ہاتھ میں ہو گی
دھیرے دھیرے میں کہتی تھی
جو ہونا ہے جان سو ہو گا

مستقبل پر کسی کا بس ہے، مستقبل کو کِس نے دیکھا
مہکا مہکا موسم بیتا، وقت کا ظالم چکر جیتا
آج میں کتنی تنہا ہُوں، گم سم اور اکیلی ہوں
اپنے لیے پہیلی ہُوں
خود ہی سوچا کرتی ہوں، خود سے پوچھا کرتی ہوں
میں کِس کی مجبوری ہوں، شائد غیر ضروری ہوں
ایک سے دن ہیں، ایک سی راتیں
بوجھل سوچیں، بوجھل باتیں
ایک ہی رو میں بہتی ہُوں، عرشی خود سے کہتی ہوں
جو ہونا ہے جان سو ہو گا
مستقبل پر کِس کا بس ہے، مستقبل کو کِس نے دیکھا۔

سچا رشتہ

جانے کیسے کیسے رشتے
جانے کیسے کیسے ناطے
خود بن کر خود ٹوٹ گئے ہیں
کتنے پیارے پیارے چہرے
روٹھ گئے ہیں، چھوٹ گئے ہیں
سکھ کا رشتہ، پیار کا رشتہ
خون کا، کاروبار کا رشتہ
دِل کا اور دلدار کا رشتہ
ہر اک رشتہ کچا رشتہ
درد کا رشتہ سچا رشتہ